اشاعت کا ۶۴ واں سال

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہنامہ
ہمدرد نونہال

صدر مجلس: سعدیہ راشد

مدیر اعلیٰ: مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۶ | جلد ۶۴

شعبان المعظم — رمضان المبارک ۱۴۳۷ ہجری

جون ۲۰۱۶ عیسوی

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے): ۳۸۰ روپے

سالانہ (رجسٹرڈ ڈاک سے): ۵۰۰ روپے

سالانہ بیرون ملک: ۴۴۰ روپے

سالانہ (ہوائی ڈاک سے): ۵۰ امریکی ڈالر

ٹیلے فون — 36620949 — 36620945 — 36616004 — 36616001

ایکس ٹینشن — (065 | 052 | 094)

فیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارہ سعید — www.hmsaeed.info

فیس بک — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قبول ہوگی، VPP بھیجا ممکن نہیں ہے۔"

خط و کتابت ادارہ ہمدرد نونہال کے پتے پر کی جائے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد، کراچی سے شائع کیا

ہمدرد ڈاک خانہ | سرورق: ماہر فرحت

ISSN 0259-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان غلطی کا پتلا ہے، اس لیے اچھے سے اچھے انسان سے کسی نہ کسی وقت، کسی نہ کسی کام میں غلطی ہو جاتی ہے۔ صحیح معنی میں اچھا انسان وہ ہے جو اپنی غلطی مان لے۔ بعض لوگوں کی، بلکہ زیادہ تر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی غلطی نہیں مانتے اور اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ حالات ایسے تھے کہ میں مجبور تھا۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں، کتنی ہی مجبوری کے تحت غلطی کی گئی ہو، غلطی جب ہو گئی تو اسے ماننا چاہیے۔ غلطی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو احساس ہو جائے اور اس سے آیندہ غلطی نہ ہو۔ جو شخص غلطی کرتا ہے، مگر اس کو تسلیم نہیں کرتا، وہ ایک کمزور انسان ہے۔

غلطی کو تسلیم کرنا بہادری ہے اور ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ کوئی دوسرا شخص اگر غلطی کرے اور اس سے تمھیں تکلیف پہنچے تو اس کو معاف کر دو۔ اس عمل کو عفو کہتے ہیں۔ درگزر کرنے والا انسان بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں، لیکن اپنی غلطیوں کو کبھی معاف نہ کرو۔ اگر کوئی بتائے کہ تم نے یہ غلطی کی ہے تو اس پر غور کرو اور اس شخص کا کہنا صحیح ہو تو فوراً مان لو، زبان سے بھی اور دل سے بھی اور کوشش کرو کہ دوبارہ غلطی نہ ہو۔

غلطی کو ماننے میں شرم ضرور آتی ہے، لیکن غلطی نہ ماننے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسان کے اخلاق میں جو کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس سے بچنے کے لیے تھوڑی سی شرم برداشت کر لینی چاہیے۔

(ہمدرد نونہال ستمبر ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

پہلی بات

اس مہینے کا خیال

اچھا انسان وہ ہے، جو سب انسانوں کے لیے اچھی اچھی باتیں سوچے

مسعود احمد برکاتی

اپنے استاد محترم اور آپ سب کے انکل مسعود احمد برکاتی کی خواہش پر اس بار پہلی بات میں، میں آپ کے سامنے ہوں۔ سب سے پہلے تو نہایت قابلِ احترام مسعود احمد برکاتی صاحب کی صحت کے لیے دعا کیجیے، جو کچھ عرصے سے اپنی کمزور صحت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر جو ہر سال جون کے مہینے میں پیش کیا جاتا ہے، اس بار تاخیر کا شکار ہوا۔ صدر محترمہ سعدیہ راشد سے مشورے کے بعد ان شاء اللہ تاریخ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ مہینے کا خیال اس بار بھی استاد محترم کا ہی ہے۔ اُمید ہے وہ یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

اسکولوں میں گرمیوں کی چھٹیاں اور رمضان المبارک ساتھ ساتھ آ رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ نونہال روزے بھی رکھیں گے اور اسکول کا ہوم ورک بھی مکمل کریں گے۔ روزہ ہمیں بُرے کام چھوڑنے اور اچھے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ مہینا ہمیں یاد دلاتا ہے کہ باقی گیارہ مہینے بھی اسی طرح نیکی کے کام کرتے رہنا چاہیے۔ نیکی چھوٹی ہو یا بڑی، ثواب ضرور ملتا ہے۔ بڑوں کا کہنا ماننا، چھوٹے بہن بھائیوں کو تنگ نہ کرنا بھی نیکی ہے۔ ایسے تمام کام جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچے، نیکی ہیں۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو اس کا ترجمہ بھی ضرور پڑھیں، تاکہ معلوم ہو کہ قرآن حکیم اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے۔ یہ ہدایت کی کتاب ہے۔

رمضان المبارک ہی میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ آزاد ملک پاکستان عطا کیا تھا۔ نونہال عزم کریں کہ اس ملک کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے دل لگا کر علم حاصل کریں، صرف ڈگریاں کافی نہیں۔ عام قسم کے "طالب علم" نہ بنیں، بلکہ علم کے سچے طالب بنیں۔ ایک بار پھر نونہالوں سے گزارش ہے کہ مسعود احمد برکاتی صاحب کی صحت و سلامتی کے لیے دعا کریں۔

سلیم فرخی

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

علم کا راستہ اختیار کرو، وہ اصل جنت کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ مرسلہ: لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص

حضرت علی کرم اللہ وجہ

مخلص لوگوں کے اندر اتنا پیار چھپا ہوتا ہے، جتنا ایک چھوٹے سے بیج کے اندر پودا۔

مرسلہ: محمد اسامہ، کراچی

شیخ سعدیؒ

وہ دشمن بہتر ہے، جو میری مخالفت کر کے مجھے میری خامیاں دکھاتا ہے۔ مرسلہ: سیدہ اریبہ بتول، کراچی

علامہ اقبال

اپنے آپ کو پہچانیے اور اپنی صلاحیتوں کو پرکھیے، پھر زندگی میں آپ کی کامیابی یقینی ہے۔

مرسلہ: حسن رضا مختار، فیصل آباد

شہید حکیم محمد سعید

عبادت سے شخصیت میں دل کشی پیدا ہوتی ہے۔

مرسلہ: محمد وقار الحسن، حویلی لکھا

اشفاق احمد

انسان اس قدر غافل ہے، جو اپنی ساری منصوبہ بندی میں کبھی موت کو شامل نہیں کرتا۔

مرسلہ: وجیہہ قیصر زمان، گارڈن ویسٹ

ٹیگور

پختہ ارادہ کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

مرسلہ: انجم فاطمہ، کراچی

ارسطو

اچھی کتاب، اچھا انسان بناتی ہے۔

مرسلہ: ایم اختر اعوان، بلدیہ ٹاؤن

بائرن

غم کا بہترین علاج مصروفیت ہے۔

مرسلہ: عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

جوزف اسٹالین

اچھا مصنف، اپنی سوچ کا نسور ہوتا ہے۔

مرسلہ: محمد ارسلان صدیقی، کراچی

آمدِ صیام

شمس القمر عاکف

نیکیوں کی بہار پھر آئی
ہر طرف نور کی فضا چھائی
دلِ بیمار نے شفا پائی
پھر طبیعت خوشی سے لہرائی
ہاتھ میں برکتوں کا جام آیا
مرحبا! پھر مہِ صیام آیا

نعمتیں ہوگئیں سوا اک دم
چل پڑی لطف کی ہوا اک دم
صبر انسان کو ملا اک دم
قید شیطان ہوگیا اک دم
ہاتھ میں برکتوں کا جام آیا
مرحبا! پھر مہِ صیام آیا

یہ عبادات کا مہینا ہے
صدقہ خیرات کا مہینا ہے
قدر کی رات کا مہینا ہے
خیر کی بات کا مہینا ہے
ہاتھ میں برکتوں کا جام آیا
مرحبا! پھر مہِ صیام آیا

روزے دار بچے

نسرین شاہین

رمضان المبارک انتظار بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی ہوتا ہے۔ رمضان بھر افطاری کے لیے ان کی من پسند چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ دہی بڑے، چنا چاٹ، فروٹ چاٹ، سموسے، رول، پکوڑے، طرح طرح کے پھل اور مزے مزے کے شربتوں سے دسترخوان سجائے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں بچے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

گھر کے بڑوں کو صبح سحری اور شام کو افطاری کا اہتمام کرتا دیکھ کر کم سن بچوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ بھی بڑوں کی طرح روزہ رکھیں۔ ایسے موقعے پر بچوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ روزہ بھی ایسی عبادت ہے، جس کی عادت تو بچپن سے ہی ڈالنی چاہیے، جو بچے ابھی چھوٹے ہیں اور ان پر عبادات فرض نہیں، انھیں روزے سے متعلق مفید باتیں بتائی جائیں، تاکہ وہ روزہ رکھنے کے لیے پہلے سے تیار رہیں۔

بچوں کے لیے یہ بات شاید دل چسپ ہو کہ برسوں پہلے چھوٹے بچوں کو بہلانے کے لیے کہہ دیتے تھے کہ اچھی بھئی ایک داڑھ کا روزہ رکھ لو۔ روایت یہ ہے کہ ایک داڑھ کے روزے میں کم سن بچے سحری کے بعد دن بھر ایک داڑھ سے کھاتے پیتے بھی رہتے اور پھر پورے اہتمام سے بڑوں کے ساتھ افطار بھی کرتے۔ اس طرح کے روزے کے ذریعے وہ کھانا پینا جاری رکھتے اور انھیں یہ احساس بھی ہوتا کہ ان کا روزہ ہے، اس لیے انھیں کوئی بُرا کام نہ کرنا چاہیے۔ پھر جیسے جیسے بچے میں سمجھ آتی جاتی ہے، وہ حقیقی روزے کے قریب آنے لگتے ہیں اور جلد ہی روزے رکھنے شروع کر دیتے ہیں۔

اس رمضان میں جو بچے اپنا پہلا روزہ رکھیں گے، وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ساتھ ہی سراہے جانے کے قابل بھی ہیں کہ وہ روزے جیسی عبادت کا آغاز کر رہے ہیں، لیکن روزہ رکھنے سے پہلے وہ نماز کی پابندی اپنا لیں۔ اگر نماز پڑھنی آتی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہوگی کہ لڑکے اپنے بڑوں کے ساتھ مسجد میں اور لڑکیاں گھر پر اپنی امی اور بہنوں کے ساتھ پانچ وقت نماز ادا کریں۔

نماز کے عادی بچوں کو روزے میں نماز ادا کرنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی، بلکہ وہ روزے میں نماز ادا کر کے خوشی اور اطمینان محسوس کریں گے۔ نماز کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تلاوت بھی کریں۔ جن بچوں نے قرآن مجید ختم کر لیا ہے، وہ رمضان میں اپنا پورا قرآن دُہرا لیں۔ جن بچوں نے ابھی قرآن مجید ختم نہیں کیا ہے، وہ بھی روزانہ پڑھے ہوئے پارے دوبارہ پڑھ لیں تو انھیں قرآن خوب اچھی طرح یاد ہو جائے گا اور پڑھنے میں روانی آ جائے گی۔

وہ بچے جو روزے رکھتے ہیں، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ روزے کی حالت میں ہر بُرے کام سے بچنا ضروری ہے۔ بُرے اور ناپسندیدہ کام تو ویسے بھی نہیں کرنے چاہییں، لیکن روزہ رکھ کر ان سے بچنا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، بُرا کہنا، گالی دینا، مار پیٹ کرنا، غصہ کرنا، چوری کرنا، سب بُرے کام ہیں۔ روزہ انسان کو ناپسندیدہ کاموں سے روکتا ہے۔ بچے دین کی اچھی باتیں سیکھیں اور رمضان المبارک کے بعد بھی ان پر عمل کرتے رہیں۔

اس سال بھی رمضان میں اسکول کی چھٹیاں ہوں گی اور گرمی بھی خوب ہوگی۔

روزہ رکھنے والے بچے غیر ضروری گھر سے باہر نہ نکلیں۔ دوپہر میں آرام ضرور کریں اور دھوپ میں ہرگز نہ کھیلیں۔ باہر نکلنے اور کھیلنے کودنے سے تھکن ہو جائے گی اور پیاس بھی شدت سے لگے گی۔ اس پریشانی سے بچنے کے لیے گھر میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ اس طرح آرام بھی ملے گا اور روزہ بھی اچھا گزرے گا۔

جن بچوں کی روزہ کشائی ہے، ان کے پہلے روزے کا اہتمام بھی ہوگا۔ افطار کے موقع پر قریبی رشتے دار بھی آئیں گے اور بچے کے رشتے کے بہن بھائی بھی شامل ہوں گے۔ اس کا مقصد روزہ رکھنے والے بچے کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ ساتھ ہی دوسرے بچوں میں بھی یہ تحریک ہوتی ہے کہ وہ بھی جلد سے جلد روزے رکھنا شروع کریں۔

پہلا روزہ رکھنے والے بچوں کو روزے کی حقیقی روح سے آشنا کرانا بھی ضروری ہے کہ روزہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اچھے کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ آپ بھی اچھے کام کریں۔ اپنی روزہ کشائی میں اپنے ان دوستوں اور پڑوسیوں کو بھی شامل کریں، جو غریب ہیں ان کو افطار میں شامل ہونے کی دعوت دے دیں یا ان کے گھر افطاری بھجوا دیں۔ روزہ رکھنے کی خوشی کے ساتھ، دوسروں کو خوشی دینے کی خوشی بھی آپ کو ملے گی، کیوں کہ روزہ رحمت ہی رحمت ہے۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے، ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی! کمنے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔ ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

روشن روشن لوگ

حبیب اشرف صبوحی

(۱) ایک جملہ میرا تکیۂ کلام بن چکا ''جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا۔'' میں اکثر و بیشتر یہ جملہ اپنی گفتگو کے دوران استعمال کرتا ہوں۔ ایک دن میں گھر میں بیٹھا تھا کہ موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ دیکھا کہ اسکرین پر پاکستان سے باہر کا نمبر آرہا ہے۔ بٹن ''آن'' کیا تو دفتر کے ایک بہت پرانے ساتھی کی آواز سنائی دی۔ سلام دُعا کے بعد میں نے پوچھا: ''رانا صاحب! آپ پاکستان سے باہر چلے گئے ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''جی میں عمرہ کرنے آیا ہوں اور خانہ کعبہ کی چادر پکڑے آپ کے لیے دُعا مانگ رہا ہوں۔''

میں نے کہا: ''بھائی! یہ کام تو عموماً اہل خانہ ہی انجام دیتے ہیں۔''

وہ بولے: ''آپ کہا کرتے تھے جو بندوں کا شکر گزار نہیں بنتا، وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ یہاں میں اللہ کا بھی شکر گزار ہوں اور آپ کا بھی۔''

اس کے بعد جب وہ مدینہ شریف پہنچے تو وہاں جا کر بھی فون کیا اور میرے لیے دُعائیں کرتے رہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کچھ لوگ اتنے وضع دار اور محبت والے ہوتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محسنوں کو یاد رکھنے کی توفیق دے۔ (آمین)

(۲) ہم ایک دکان دار سے دفتر کے لیے کثیر مقدار میں سامان خریدتے۔

اوّل تو وہ قیمت مناسب لگاتا، دوسرے چیزیں بھی معیاری ہوتیں۔ وہ جب بھی دفتر آتا، مجھ سے ملتا اور بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا۔ میں اکثر سوچتا کہ یہ کاروباری آدمی ہے۔ جب تک اسے ہم سے کام ہے، یہ محبت اور خلوص سے ملتا رہے گا۔ جب کام ختم ہوا، تو یہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح غائب ہو جائے گا۔

وہ اکثر ایک جملہ مجھ سے کہتا تھا: ''آپ کی نیکیاں میں قبر کی دیوار تک نہیں بھولوں گا۔''

ایک دن میں نے اس سے کہا: ''بھائی! تمھیں مجھ سے غرض ہے، اس لیے ایسی باتیں کرتے ہو۔ جب میں اپنے عہدے پر نہ رہوں گا تو تم مجھے پوچھو گے بھی نہیں۔''

اس نے یہ بات سنی تو مسکرا کے رہ گیا۔ آج مجھے اپنا عہدہ چھوڑے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا، لیکن اُس نے مجھے نہیں بھلایا۔ ہر سال شروع ہوتے ہی نئے سال کا کیلنڈر اور ڈائری بھیجتا ہے۔ اس کے علاوہ عید اور دیگر تہواروں پر بھی یاد رکھتا ہے۔ خود غرضی کے اس دور میں ایسے لوگوں کا مل جانا کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ آج کل جب کسی سے کام پڑے تو لوگ اُس کو باپ بنا لیتے ہیں۔ جب وقت گزر جائے تو اُس کے احسانات بھول جاتے ہیں۔

(۳) محلے کی مسجد میں ایک نمازی سے میری دوستی ہو گئی۔ وہ پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ ان کے کاروباری حالات ٹھیک نہیں تھے۔ اس وجہ سے فکر مند رہتے۔ ایک بار رمضان شریف کے مہینے میں انھوں نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا۔ دو چار مرتبہ میں نے ان کے لڑکے سے پوچھا کہ تمھارے ابا نماز پڑھنے کیوں نہیں آتے؟ کیا وجہ ہے؟ وہ ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتا۔ اُس کے چہرے سے پتا چلتا کہ وہ سخت

پریشان ہے۔

میں نے عید سے چند روز قبل نماز کے بعد لڑکے کو زبردستی روک لیا اور کہا: ''تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔ بتاؤ، شاید میں تمھاری کوئی مدد کر سکوں۔''

جب میں نے اصرار کیا تو اُس نے بتایا: ''میرے والد نے لوگوں کی بڑی رقم ادا کرنی تھی، لیکن ہمارا کاروبار بالکل تباہ ہو گیا۔ اس کے بعد رشتے داروں نے منھ پھیر لیا۔ جن لوگوں کا پیسا دینا تھا، آخر انھوں نے میرے والد کو جیل بھجوا دیا۔ اب ضمانت کے لیے ۲۵ ہزار روپے کی ضرورت ہے، ورنہ ان کی عید جیل ہی میں گزرے گی۔ ہمارا کوئی رشتے دار مدد کرنے کو تیار نہیں۔''

میں نے یہ سنا تو بہت افسوس ہوا۔ سوچا کہ اس مصیبت زدہ گھرانے کی مدد کرنا چاہیے۔ لہٰذا کچھ دوستوں کی مدد سے ۲۵ ہزار روپے کا انتظام کیا اور اس کے گھر دے آیا۔ عید سے قبل ان کی ضمانت ہو گئی۔ عید والے روز میرا شکریہ ادا کرنے گھر آئے اور کہا: ''دعا کیجیے میرے حالات ٹھیک ہو جائیں، تاکہ آپ کا قرض جلد از جلد اُتار سکوں۔''

میں نے کہا: ''رقم کی فکر نہ کریں۔ جب بھی ہوں، تو دے دیجیے گا۔''

وقت گزرتا گیا۔ رمضان شریف کے دن تھے۔ ان کا بیٹا کچھ عرصے بعد مسجد میں نظر آیا۔ میں نے اُس کے والد کی خیریت پوچھی۔ اُس نے بتایا کہ والد آج کل ساہیوال میں کام کر رہے ہیں اور خدا کا شکر ہے، کام اب چل نکلا ہے۔ کچھ دن بعد اُس نے خاموشی سے وہ تمام رقم واپس کر دی، جو میں نے دی تھی لڑکے نے کہا: ''ہمارا کام اللہ کے کرم سے ٹھیک چل رہا ہے۔ یہ پیسے آپ کی امانت ہیں، شاید کسی دوسرے ضرورت مند کے کام آ جائیں۔''

نونہال بک کلب

کے ممبر بنیں اور اپنی ذاتی

لائبریری بنائیں

بک کلب کا ممبر بننے کے لیے بس ایک سادہ کاغذ پر اپنا نام،

پورا پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں بھیج دیں، آپ کو نونہال بک کلب کا ممبر بنا لیا جائے گا

اور ممبر شپ کے کارڈ کے ساتھ کتابوں کی فہرست بھی بھیج دیں گے۔

ممبر بننے کی کوئی فیس نہیں ہے۔

ممبر شپ کارڈ کی بنیاد پر آپ نونہال ادب کی کتابوں کی خریداری پر

۲۵ فی صد رعایت حاصل کر سکتے ہیں۔

جو کتابیں منگوانی ہوں، ان کے نام، اپنا پورا صاف پتا اور ممبر شپ کارڈ نمبر لکھ کر بھیجیں اور

رجسٹری فیس کی رقم اور کتابوں کی قیمت منی آرڈر کے ذریعے سے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی

کے پتے پر بھیج دیں۔ آپ کے پتے پر ہم کتابیں بھیج دیں گے۔

کم سے کم ایک سو روپے کی کتابیں منگوانے پر

رجسٹری فیس ممبروں سے نہیں لی جائے گی

ان کتابوں سے لائبریری بنائیں، کتابیں خود بھی پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھوائیں۔

علم کی روشنی پھیلائیں

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

شہیدِ پاکستان

محمد امتیاز عارف

پیارے پاکستان کے محسن ، سعید دل پذیر
ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تری کوئی نظیر
حکمت و دانش میں تجھ جیسا کوئی پیکر نہ تھا
ترے دل میں تو سوائے رب ، کسی کا ڈر نہ تھا
تو نے اپنی جان ملک و قوم پر قربان کی
یوں بڑھائی شان اپنے پیارے پاکستان کی
اے عظیم انسان ، پیارے رب کا تو انعام تھا
" جاگو اور جگاؤ " تیرا اک اہم پیغام تھا
جتنی بھی باتیں کہی ہیں تو نے اس عنوان میں
اک سے بڑھ کر ایک ہیں انسانیت کی شان میں
اک جگہ تو نے کہا: " انسان کا دل حساس ہے "
یہ خدا کی شان ہے ، انسان کے جو پاس ہے
چوٹ جب لگتی ہے دل کو ، اس میں آ جاتا ہے بال
زخم پھر بھر جائے دل کا ، ہے یہ ناممکن ، محال
دوسرا انساں ہمارے جیسا ہی انسان ہے
ہے یہ ایماں کا تقاضا ، سب کا رکھیں ہم بھرم
کس لیے پھر دوسروں کی ہم دل آزاری کریں
ہے ہمارا فرض دکھی لوگوں کو دل جوئی کریں
دانش و حکمت کے پھولوں سے وطن مہکا گیا
کس طرح جیتے ہیں "مر" کے تُو ہمیں بتلا گیا
اے شہید ارضِ پاکستان! ہو تجھ پر سلام
خدمتِ انسانیت میں تیرا اعلا ہے مقام

WWW.PAKSOCIETY.COM

بوجھ اُتر گیا

معاذ بن مستقیم

''صاحب! میری ماں کو بچا لیجیے۔ ڈاکٹر چار لاکھ روپے کا خرچ بتا رہے ہیں۔ صاحب! ماں کو بچا لیں...... میں پیسے اپنی تنخواہ میں سے تھوڑے تھوڑے کر کے واپس کر دوں گا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

یہ الفاظ سن کر احمد سلیم کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ وہ ایک دولت مند آدمی تھے اور لوگوں کی مدد کرنا انھیں اچھا لگتا تھا۔ چار لاکھ روپے ان کے لیے معمولی رقم تھی۔ اس شخص کو دیکھ کر وہ ماضی کی یادوں میں کھوتے چلے گئے۔

......☆......

''استاد، استاد! میری ماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ کچھ پیسے دے دو۔ میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ یہ پیسے میری تنخواہ سے کاٹ لینا استاد......''

بارہ سالہ سلیم اپنے استاد کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔ وہ ایک دکان میں مکینک کا کام کرتا تھا۔ حالات نے اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا۔ اسکول، پڑھائی، کھیل کود، یہ الفاظ اس کی زندگی میں نہیں تھے۔ اس کی زندگی کا مقصد تو بس ایک ہی تھا، بیمار ماں کی زندگی کی ڈور کو کٹنے نہ دینا اور اپنے سے چھوٹے پانچ بہن بھائیوں کا پیٹ پالنا۔

جس دکان پر سلیم کام کرتا تھا، اس کا مالک ایک رحم دل آدمی تھا۔ وہ سلیم کی اکثر مدد کر دیا کرتا تھا۔ تقریباً ہر مہینے ہی اس کا یہ معمول تھا۔ کبھی تو مانگے ہوئے پیسے اس کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوتے تھے۔ استاد بھی جانتے تھے کہ بچہ حقیقت میں ضرورت مند ہے، اس

لیے وہ کبھی انکار نہ کرتے۔ سلیم بھی استاد کو بابا کی طرح سمجھتا تھا۔ استاد کو یہ بات معلوم تھی کہ وہ شروع سے ایسی پریشانیوں کا شکار نہیں تھا۔ جب تک سلیم کے والد زندہ تھے، اسے کبھی پانی پینے کے لیے بھی خود اُٹھنے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی تھی۔

سلیم کے چاچا اور ابا کی کپڑے کی مل تھی۔ وہ ایک اچھے اسکول میں پڑھتا تھا۔ اچانک ایک حادثے نے اس کی زندگی کو پلٹ کر رکھ دیا۔ اس کے والد کار حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ والد کے بعد چچا نے ساری جائداد اپنے قبضے میں لے کر انھیں ہر طرح سے محتاج کر دیا۔ اس کی والدہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور فالج کا شکار ہو گئیں۔ چچا نے اتنی مہربانی کی کہ انھیں رہنے کو ایک کمرے کا مکان دے دیا۔ اب ماں ہی اس کا سب کچھ تھی۔

سلیم نے ایک مکینک کی دکان پر کام شروع کر دیا۔ ایک دن اس کی اندھیری دنیا مزید تاریک ہوگئی۔ اس کی ماں راتوں رات چپ چاپ دوسری دنیا سدھار گئی۔ استاد ہی نے اس کی ماں کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ سلیم خود کو اپنی ماں کی موت کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

اگلے دن وہ استاد کے پاس گیا، مگر آج وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے استاد سے کچھ پیسے اُدھار لیے اور کچھ سلے سلائے کپڑے خرید کر بیچنے نکل پڑا۔ کم منافع رکھ کر اس نے سارے کپڑے بیچ دیے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنا نام مارکیٹ میں بناتا چلا گیا۔ لوگ آنکھیں بند کر کے اس پر بھروسا کرتے تھے۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب اس نے ایک دکان مارکیٹ میں خرید لی۔ اب وہ بائیس سال کا ہو گیا تھا۔ اس کا شمار بڑے کاروباری لوگوں میں ہونے لگا۔

چند برسوں میں اس کا کاروبار پورے شہر میں پھیل گیا۔ کپڑے کی مل لگانا اس کا خواب تھا، وہ بھی پورا ہو چکا تھا۔ شہر بھر میں اس کی شہرت تھی۔ اس کے بہن بھائی بھی اب پڑھ لکھ گئے تھے، مگر احمد سلیم خود نہیں پڑھ سکے۔ اب وہ سیٹھ سلیم کہلاتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی کے بنائے ہوئے کپڑوں کے ڈیزائنوں نے بھی ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ اس عرصے میں وہ استاد کو نہیں بھولے تھے اور ان کا ہر ممکن خیال رکھتے تھے۔

......☆......

''صاحب! پلیز صاحب! بچالو......'' یہ ان کا چچازاد بھائی تھا، جو انھیں پہچان نہیں پایا تھا، مگر سیٹھ سلیم اسے پہچانتے تھے۔ وقت نے اس کے پورے خاندان کو تباہ کر دیا

تھا۔ ایک لمحے کو انھوں نے سوچا کہ وہ اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دیں اور اپنی ماں کی موت کا بدلہ لے لیں، لیکن وہ ایک اور ماں کو نہیں کھونا چاہتے تھے۔ اس درد کو ان سے بہتر بھلا کون جانتا تھا۔

''کوئی بات نہیں، تمھاری ماں میری ماں ہے۔ اس کے علاج کی ذمے داری میری ہے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

ان کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا تھا۔ اپنی ماں کی موت کا بوجھ، جو وہ ایک ماں کو بچا کر ہی اُتار سکتے تھے۔

☆☆☆

سونے کی گیند

مسعود احمد برکاتی

برسوں پُرانی بات ہے، کئی سو برس پُرانی۔ کسی دریا کے کنارے ایک لڑکا رہتا تھا۔ نام تھا اس کا دُلارا۔ اس کی عمر بارہ سال کی ہوگی۔ دُلارا یتیم تھا، یعنی صرف اس کی ماں تھی۔ ماں کی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے، اس لیے وہ چاہتی تھی کہ دُلارا خوب پڑھے۔ وہ اس کو بتاتی کہ علم حاصل کر کے ہی وہ اچھا اور بڑا آدمی بن سکتا ہے۔ ماں نے اس کے لیے ایک استاد کا انتظام کیا تھا۔ استاد بہت قابل آدمی تھے، مگر بہت سنجیدہ بھی تھے۔ جب دُلارا سبق یاد نہ کرتا تو وہ اس کی پٹائی کرتے۔

ایک دن ڈلارے کو سبق یاد نہ ہوا۔ اب تو وہ بہت ڈرا۔ ماسٹر صاحب بخشنے والے نہیں ہیں۔ وہ کوئی بہانہ نہیں سنتے۔ سبق کتنا ہی مشکل ہو، یاد ہونا چاہیے۔ بات یہ تھی کہ ڈلارے نے کام چوری نہیں کی تھی، نہ وہ کھیل کود میں لگا تھا۔ وہ گھنٹوں بیٹھا سبق یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن سبق یاد نہ ہو سکا۔ اصل بات یہ تھی کہ جب ماسٹر صاحب نے پڑھایا تو وہ سمجھ نہ سکا تھا۔ جو چیز سمجھ میں نہ آئے، وہ یاد کیسے ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے ڈلارے نے فیصلہ کیا کہ وہ گھر سے بھاگ جائے۔ نہ ماسٹر صاحب کے سامنے جائے گا، نہ پٹے گا۔ یہ سوچ کر وہ چل کھڑا ہوا۔ دریا کے قریب پہنچ کر اس کو ایک غار نظر آیا۔ ڈلارا اس غار میں جا چھپا۔ پورا دن گزر گیا۔ رات آئی، وہ بھی گزر گئی۔ دوسرا دن آیا تو وہ

پریشان ہونے لگا، لیکن اس نے سوچا کہ پٹنے سے بھوکا رہنا اچھا ہے۔ ایک دن اور گزر گیا۔ اب اس کی پریشانی بڑھنے لگی۔ کبھی وہ سوچتا کہ گھر واپس پہنچ جائے اور ماسٹر صاحب اور ماں کی مار برداشت کر لے۔ کبھی دل میں کہتا کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، بھاگ آئے تو بھاگ آئے۔ ذلت سے بھوک اچھی۔ تیسرا دن آیا تو اس کے خیالات گھر واپس جانے کی طرف مائل ہو گئے۔ ''بھوک سے پٹائی اچھی'' اس کے منھ سے نکلا۔

یہ الفاظ منھ سے نکلے ہی تھے کہ دو چھوٹے چھوٹے آدمی غار کے اندر داخل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر ڈلارے کو ڈر لگا، لیکن جب ان کو غور سے دیکھا تو ان کے پاس پھلوں کی ٹوکری اور دودھ کا پیالہ نظر آیا۔ انھوں نے یہ چیزیں ڈلارے کی طرف بڑھائیں اور کہا: ''ہمارے خیال میں آدمی کو نہ بھوکا رہنا چاہیے اور نہ پٹنا چاہیے۔''

''ہاں، یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

یہ کہہ کر ڈلارے نے جلدی جلدی پھل کھانے شروع کیے۔ پھل جنگلی تھے، لیکن اس نے اتنے میٹھے پھل کبھی نہ کھائے تھے۔ جب وہ خوب کھا چکا تو ان آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تم سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ اگر تم ہمارے ساتھ چلو تو ہم تم کو ایک ایسی دنیا میں لے چلیں گے، جہاں ہر شخص ہمیشہ خوش رہتا ہے، کسی کو کوئی غم نہیں ستاتا۔

ڈلارے کو یہ بات بڑی اچھی معلوم ہوئی۔ وہ ماں اور ماسٹر صاحب کے ڈر سے گھر واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ جھٹ ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ ان آدمیوں نے غار کے اندر ہی اندر چلنا شروع کیا۔ ڈلارا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ بہت دیر تک چلنے کے بعد وہ ایک نئی جگہ پہنچ گئے۔ یہ ایک دوسری ہی دنیا تھی۔ ایک اجنبی، لیکن

خوب صورت دنیا۔ اس ملک میں دریا تھے، باغات تھے، بڑے بڑے درخت اور رنگین پھول پودے تھے، سرسبز و شاداب جنگل اور میٹھے پانی کے چشمے تھے۔ خوشبو اور خوب صورتی سے ناک معطر اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔

یہ ننھے منے آدمی دُلارے کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ ان آدمیوں سے تو لمبا تھا، مگر پھر بھی دُلارے سے چھوٹا تھا۔ بادشاہ نے دُلارے سے بہت سی باتیں اس دنیا کے متعلق پوچھیں، جہاں سے وہ آیا تھا۔ خود اس کی زندگی کے بارے میں بھی بادشاہ نے بہت سے سوالات کیے۔ خاص طور پر دُلارے کی پڑھائی، اس کی ماں اور ماسٹر صاحب سے اس کی پٹائی کا حال سن کر تو بادشاہ کو بہت مزہ آیا۔ اس نے کہا: ''ہماری دنیا میں بچوں کو کبھی نہیں پیٹا جاتا۔ ہمارے ساتھ رہو۔ تم سے ایک شہزادے کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ تم آزاد ہوگے۔ جتنا چاہو کھیلو کودو، لیکن اگر دل چاہے تو میرے بیٹے کے ساتھ پڑھ لینا۔ تعلیم ایک شہزادے کے لیے ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ ایک عام آدمی کے لیے بھی مفید ہے۔''

دُلارے کو یہ باتیں بڑی اچھی لگیں۔ اس نے خوشی خوشی وہاں رہنے اور شہزادے کے ساتھ پڑھنے کا وعدہ کرلیا۔

دُلارا اس نئی دنیا میں رہنے لگا۔ ننھی منی دنیا میں جہاں کے سب لوگ چھوٹے چھوٹے تھے۔ وہ شہزادے کے ساتھ پڑھتا بھی اور سونے کی گیند سے کھیلتا بھی تھا۔ شہزادہ، بادشاہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ یہ ننھے منے انسان عام انسانوں سے زیادہ حسین تھے۔ ان کے پاس گھوڑے تھے، گائیں تھیں اور دوسرے تمام جانور تھے جو ہماری دنیا میں ہوتے ہیں، لیکن

سب کے قد ایسے ہی تھے جیسے وہاں کے انسانوں کے۔ وہ گوشت اور مچھلی نہیں کھاتے تھے۔ ان کی غذا صرف سبزیاں، پھل اور دودھ تھا، جن کو پکا کر مزے سے کھاتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ شریف، شائستہ تھے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ نہ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے اور نہ کسی کو دھوکا دیتے تھے۔ سچ بولتے تھے اور دیانت داری سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر دلارے نے بھی ویسا ہی بننے کا ارادہ کرلیا۔

ایک سال گزر گیا۔ اس عرصے میں دُلارا کئی بار اپنی دنیا میں بھی گیا۔ پہلی بار تو انھی دو ننھے آدمیوں نے دُلارے کو راستہ دکھایا۔ بعد میں دُلارے کو تنہا جانے کی اجازت دے دی گئی۔

پہلی بار جب دُلارا اپنے گھر پہنچا تو اس کی ماں خوشی کے مارے رونے لگی۔ وہ تو اس کی طرف سے مایوس ہو کر صبر کر چکی تھی۔ اس کو زندہ دیکھ کر ماں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ماں نے بڑی حیرت سے دُلارے کی زبانی اس اجنبی دنیا کے حالات سنے۔ جب دُلارے نے بتایا کہ وہ شہزادے کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہا ہے تو ماں نے اس کو دوبارہ اس نئی دنیا میں جانے سے نہ روکا۔

پھر وہ جب بھی گھر آتا، اپنی ماں کو اجنبی دنیا کے حالات بتاتا۔ وہاں کے پستہ قد انسانوں کی خوبیاں بیان کرتا۔ ان کی زندگی کا حال سناتا۔ ایک دن اس نے کہا: ''ان لوگوں کے کھانے کی رکابیاں اور پیالیاں بھی سونے کی ہیں۔''

''کیا؟ روزمرہ استعمال کے برتن بھی سونے کے ہیں؟'' اس کی ماں کا حیرت سے منھ کھلا رہ گیا۔

"جی ہاں، ان کے پاس سونے کے سوا کسی اور چیز کے برتن ہیں ہی نہیں۔ جس گیند سے میں شہزادے کے ساتھ کھیلتا ہوں، وہ بھی سونے کی ہے۔"

"سونے کی گیند!" ماں کو اور بھی تعجب ہوا۔ ایک منٹ کے لیے تو اس پر سکتہ سا طاری ہوگیا، پھر اس نے کہا: "کیا تمھیں اپنی ماں سے واقعی محبت ہے؟"

"واقعی مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔"

"تو پھر تم میرا ایک کام کردو گے۔"

"ضرور، مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔ کام کیا ہے؟"

"میں چاہتی ہوں کہ وہ سونے کی گیند تم مجھے لا کر دکھا دو۔"

یہ سن کر ڈلارا پریشان ہوگیا، مگر وہ اپنی ماں سے وعدہ کر چکا تھا اور پھر اجنبی دنیا میں سونے کی کمی بھی نہ تھی۔

دوسرے دن جب وہ شہزادے کے ساتھ پڑھائی ختم کر چکا تو اس نے شہزادے سے کہا: "اب ہم گیند کھیلیں گے۔"

"ضرور۔"

کھیل کے دوران میں ڈلارے کا دماغ بوجھل رہا اور دل میں دھک دھک کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا کہ بس اب کھیل ختم کرنا چاہیے، ہم کافی کھیل لیے۔ شہزادے نے یہ سن کر گیند ڈلارے کے پاس پھینکی اور محل میں جانے کے لیے مڑا۔ اِدھر وہ مڑا، اُدھر ڈلارے نے گیند اپنی جیب میں رکھ لی اور غار کی طرف روانہ ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے کسی کی آہٹ سنی، جیسے کوئی اس کے پیچھے آرہا ہو۔ ڈلارے نے قدم

تیز کیے، مگر پیچھے آنے والے اور قریب آتے گئے اور آوازیں آنے لگیں: "گیند واپس کردو، گیند واپس کردو۔"

ڈلارے نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے دونوں چھوٹے دوست اس کے پیچھے دوڑے چلے آرہے تھے۔ ڈلارا بھی تیز دوڑنے لگا، لیکن وہ دونوں آدمی اس کے قریب ہی ہوتے گئے۔ جب ڈلارا غار کے پاس پہنچا تو دونوں اس سے آملے۔ غار کا دہانہ بہت نزدیک آگیا تھا۔ دن کی روشنی نظر آنے لگی تھی، لیکن یکا یک اسے ایک پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا۔ اس کی جیب سے گیند نکل کر ایک طرف لڑھک گئی اور ان آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی، جو اس کے پیچھے آرہے تھے۔

ڈلارا آہستہ سے اُٹھا، مگر شرم کے مارے وہ اپنے دوستوں سے آنکھیں نہیں ملا سکا۔ نیچی نظریں کیے اس نے کہا: "مجھے معاف کر دیجیے۔ مجھے بخش دیجیے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ مجھے اپنے ساتھ اپنی دنیا میں واپس لے چلیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔"

دونوں آدمی خاموش رہے۔

ڈلارا پھر گڑگڑایا: "مہربانی کیجیے، میں نے اپنی ماں کی خواہش پوری کرنے کی خاطر یہ گناہ کیا ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔"

"ہمارے خیال میں انسان کو انسان ہونا چاہیے، بے ایمان نہیں۔" وہ دونوں آدمی یہ کہہ کر خاموشی سے مڑے اور ڈلارے کو وہیں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ ڈلارے کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ پڑے اور وہ ان آدمیوں کو واپس جاتا ہوا بھی نہ دیکھ سکا۔

آخر رودھو کر دُلارا اپنے گھر پہنچا اور اپنی ماں کو درد بھری کہانی سنائی۔ دوسرے دن وہ دریا کے کنارے آیا، مگر اس کو غار بھی نظر نہ آیا۔ کئی دن تک تلاش میں دریا کے کنارے آتا رہا، مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر اس کو یقین ہو گیا کہ اجنبی دنیا اور اس کی سب خوبیاں اور نعمتیں ہمیشہ کے لیے اس سے چھن چکی تھیں۔

وقت گزرتا گیا اور اس کا غم بھی کم ہوتا گیا۔ اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ماسٹر کو تعجب تھا کہ اس نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے اور اب وہ خوب پڑھ سکتا ہے۔ اب دُلارے نے اتنی دل چسپی سے پڑھنا شروع کیا کہ ماسٹر صاحب کو کبھی شکایت نہ ہوئی اور انھوں نے پھر کبھی اس کو نہ پیٹا۔

جوان ہو کر وہ ایک مذہبی رہنما بنا۔ لوگ اس کی عزت کرنے لگے اور اس کو اچھے نام سے پکارنے لگے۔ آیندہ زندگی میں اس نے ہزاروں بار اجنبی دنیا کی کہانی دہرائی، لیکن وہ بوڑھا ہو گیا، تب بھی وہ اس کہانی کو رو دیے بغیر کبھی ختم نہ کر سکا۔ اسی طرح وہ اس دن رویا تھا، جب اس کے ننھے دوست اس کو تنہا چھوڑ کر اپنی خوب صورت، پُر امن اور خوش حال دنیا میں واپس جا رہے تھے۔ ☆

ای-میل کے ذریعے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلی فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

انسانی جسم میں کیمیائی اجزا

مرسلہ : فرازیہ اقبال، کراچی

انسانی جسم میں درج ذیل نسبت سے کیمیائی اجزا پائے جاتے ہیں۔ فی صد سے مراد جسم کے کل وزن کا فی صد ہے۔

☆ آکسیجن	۶۵	فی صد
☆ کاربن	۱۸	فی صد
☆ ہائیڈروجن	۱۰	فی صد
☆ نائٹروجن	۳	فی صد
☆ کیلسیم	۲	فی صد
☆ فاسفورس	۱	فی صد
☆ پوٹاسیم	۰.۳۵	فی صد
☆ سلفر	۰.۲۵	فی صد
☆ کلورین	۰.۱۵	فی صد
☆ سوڈیم	۰.۱۵	فی صد
☆ میگنیزیم	۰.۰۵	فی صد
☆ لوہا	۰.۰۰۴	فی صد
☆ دیگر نمکیات	۰.۳۶	فی صد

جن کی مقدار کم ہوتی ہے۔

کھوٹا سکہ

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، لیاری، کراچی

بغداد میں ایک نان بائی تھا۔ وہ بہت اچھے نان، کلچے لگاتا تھا۔ لوگ دور دور سے اس کے گرم گرم نان خریدنے کے لیے آتے تھے۔ بعض اوقات کچھ لوگ اسے کھوٹے سکے دے کر چلے جاتے۔ وہ نان بائی کھوٹا سکہ لیتے اور اسے جانچنے کے بعد اپنی پیسوں والی صندوقچی میں ڈال لیتا تھا۔ کھوٹا سکہ کبھی واپس نہیں کرتا تھا اور نہ کبھی کسی سے کچھ کہتا۔ ہمیشہ وہ پیسے صندوقچی میں ڈال دیتا۔

جب اس نان بائی کا آخری وقت آیا تو اس نے اللہ کے دربار میں گڑگڑا کر کہا: ''اے مالک! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تیرے بندوں سے کھوٹے سکے لے کر انھیں اعلا درجے کے نان دیتا رہا۔ اسی

طرح میں جو تیری عبادت کرتا تھا، وہ اس کھوٹے سکے کی طرح ہے۔ جس طرح میں نے تیری مخلوق کو معاف، اسی طرح تو بھی میری عبادت کو قبول فرما اور مجھے بخش دے۔''

انسانی جسم - اہم معلومات

مرسلہ : شیخ حسن جاوید، کورنگی

❁ انسانی جسم میں خون ایک دن میں ۱۶۸ میل گردش کرتا ہے۔

❁ ایک آدمی کے غدود ایک دن میں تقریباً چوتھائی گیلن لعاب تیار کرتے ہیں۔

❁ انسانی گردوں میں باریک نالیوں کی لمبائی ۲۸۰ میل ہے۔

❁ ایک صحت مند آدمی کا دل ایک دن میں ایک لاکھ، تین ہزار اسّی مرتبہ دھڑکتا ہے۔

❁ سر کا وزن دس سے بارہ پونڈ ہوتا ہے۔

❁ انسانی خون پانی سے چھے گنا بھاری ہوتا ہے۔

❁ انسان ایک سال میں تقریباً ۹۰ لاکھ بار پلکیں جھپکتا ہے۔

❁ ہماری جلد ہی ہمارے جسم کا سب سے بڑا عضو ہے، ایک اوسط درجے والے شخص کی پوری جلد کو اگر پھیلا دیا جائے تو اس کا رقبہ بیس مربع فیٹ ہوگا اور اس جلد کا وزن تقریباً ساڑھے پانچ پونڈ (ڈھائی کلوگرام) ہوگا۔ اس لحاظ سے جلد ہمارے جسم کا سب سے وزنی عضو ہے۔

تین سیب

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

سلطان عبداللہ بن طاہر کی اولاد میں کسی شخص سے دریافت کیا: ''تمھارے خاندان سے حکومت جاتے رہنے کا سبب کیا تھا؟''

اس نے جواب دیا: ''راتوں کو جشن مناتے تھے، دن چڑھے تک سوتے تھے اور اپنا کام نااہلوں کے سپرد کر دیتے تھے۔''

غرور

مرسلہ : عائشہ اقبال، عزیز آباد

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا: ''حضرت! یہ غرور کیا ہوتا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''غرور ایک پردہ ہے، جو اپنی کسی کمزوری پر ڈالا جاتا ہے۔''

رائے

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

ایک لڑکا محلے کی ایک دکان پر پہنچا۔ دکان دار سے ٹیلے فون کرنے کی اجازت لے کر فون کرنے لگا۔ دکان دار اس کی باتیں سننے لگا۔

لڑکا کہہ رہا تھا: ''وکیل صاحب! آپ کو باغ کی دیکھ بھال کے لیے کسی لڑکے کی ضرورت تو نہیں؟...... اچھا، کوئی لڑکا پہلے ہی آپ کے پاس کام کر رہا ہے؟...... کیا آپ اس کے کام سے خوش ہیں؟...... اچھا جناب! شکریہ۔''

''یہ تو اچھا نہیں ہوا، تمھیں نوکری نہیں ملی۔'' دکان دار نے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھا ہوا جناب! میں ہی وکیل صاحب کے ہاں ملازم ہوں۔'' لڑکے نے جواب دیا: ''دراصل میں اپنے اور اپنے کام کے بارے میں ان کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔''

پتنگا

مرسلہ : اُسامہ ظفر راجا فصیح، ملکہ کوہسار

پتنگے اور تتلیاں آپس میں بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ برطانیہ میں ساٹھ مختلف قسم کی تتلیاں پائی جاتی ہیں، جب کہ پتنگوں کی ایک ہزار سے زیادہ قسمیں موجود ہیں۔ پتنگے کا طرزِ زندگی بھی تتلی سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دونوں حشرات پودوں کے پتوں پر انڈے دیتے ہیں۔ تقریباً ایک مہینے بعد ان انڈوں سے سنڈیاں نکلتی ہیں اور انڈوں کے یہ چھلکے سنڈیوں کی ابتدائی خوراک بنتے ہیں۔ بعد میں یہ سنڈیاں پودوں کے پتوں وغیرہ سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں۔ اگلے دو مہینے کے بعد یہ سنڈیاں، پیوپا (PUPA) میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور مزید دو مہینے کے بعد آخر ایک ننھے پتنگے کا روپ دھار لیتی ہیں۔

اوسان

مرسلہ : بی بی سمیرہ بتول، حیدر آباد

ایک مرتبہ اکبر نے بیربل سے پوچھا:
''لڑائی کے وقت کیا چیز کام آتی ہے؟''
بیربل نے ادب سے جواب دیا:
''جہاں پناہ! اوسان۔''
بادشاہ نے کہا: ''حیرت کی بات ہے تُو نے ہتھیار اور طاقت کا نام کیوں نہیں لیا؟''
بیربل نے جواب دیا: ''جہاں پناہ! اگر اوسان خطا ہو جائیں تو ہتھیار اور طاقت کس کام کے۔''

ذہانت شرط ہے

مرسلہ : نادیہ اقبال، جگہ نامعلوم

ایک شخص گھڑیوں کی دکان پر پہنچ کر بولا: ''مجھے وہ گھڑیاں دکھایئے جو اشتہار کے مطابق آپ قیمت خرید سے بھی کم داموں پر فروخت کر رہے ہیں۔''
دکان دار نے ایسی ساری گھڑیاں دکھا دیں۔
گاہک نے پوچھا: ''اگر آپ واقعی یہ گھڑیاں قیمت خرید سے بھی کم دام پر فروخت کر رہے ہیں تو آپ منافع کس طرح حاصل کرتے ہیں؟''
دکان دار نے جواب دیا: ''ہم اپنا منافع ان گھڑیوں کی مرمت سے حاصل کر لیتے ہیں۔''

بڑے لوگ

مرسلہ : ایم اختر اعوان، بلدیہ ٹاؤن

☆ مسولینی ایک لوہار کے بیٹے تھے۔ جو بعد میں اٹلی کے سربراہ بنے۔
☆ سر سید احمد خاں کلرک کے بیٹے تھے، جو برصغیر پاک و ہند میں جدید تعلیم کے بانی تھے۔
☆ محمد علی جناح ایک عام تاجر کے بیٹے تھے، لیکن بانیِ پاکستان بنے۔
☆ علامہ اقبال کے والد ٹوپیاں سی کر گزارہ کرتے تھے، لیکن آپ نے پاکستان کا تصور پیش کیا اور شاعرِ مشرق بنے۔

رفیع یوسفی محرم

علم کی تعریف ہو کیوں کر بیاں
علم سے روشن ہے یہ سارا جہاں
علم کا پھیلاؤ ہے نزدیک و دور
علم کی مشعل سے ہے دنیا میں نور
علم ہی سے سیکھتے ہیں ہم تمیز
علم سے بڑھ کر نہیں ہے کوئی چیز
علم کی طاقت سے ہیں سب رونقیں
علم کی ایجادیں ہیں، کیا کیا کہیں
علم سے سب مشکلیں آسان ہیں
علم ہی کے دم سے خوش انسان ہیں
علم کو حاصل کرو، فرمان ہے
علم کی حکمت سے پُر قرآن ہے
چین بھی جانا پڑے تو جایئے
علم کے لعل و گوہر لے آیئے
دل لگا کر علم کو حاصل کرو
افسر بنو، عالم بنو، فاضل بنو

ذہین ترین بچہ

غزالہ عامر

البرٹ آئن اسٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ کو ذہین ترین سائنس داں تسلیم کیا جاتا ہے۔ کائنات کے مختلف پہلوؤں سے متعلق نظریات پیش کرنے پر انھیں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔

ایک شخص کتنا ذہین ہے، اس کا فیصلہ اس کے ''آئی کیو لیول'' (INTELLIGENCE QUOTIENT) سے ہوتا ہے۔ ذہانت کے اس پیمانے کے مطابق آئن اسٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ کو یکساں طور پر ذہین مانا جاتا ہے۔ دونوں کا آئی کیو اسکور ۱۶۰ ہے۔ تاہم ذہانت کی دوڑ میں گیارہ سالہ لڑکے ''کیان ہیمر'' نے ممتاز سائنس دانوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

ایک عام بالغ فرد کا آئی کیو اوسطاً ۱۰۰ ہوتا ہے۔ ۱۴۰ آئی کیو کے حامل فرد کو ذہین تصور کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آئن اسٹائن غیر معمولی ذہین تھے اور اسٹیفن ہاکنگ بھی ذہانت میں انھی کے ہم پلہ ہیں، لیکن گیارہ سالہ کیان ہیمر نے آئی کیو ٹیسٹ میں ۱۶۲ پوائنٹس حاصل کیے ہیں۔ اس طرح وہ ان شہرۂ آفاق سائنس دانوں سے ذہانت میں دو قدم آگے ہے۔

مینسا انٹرنیشنل دنیا کے ذہین ترین افراد کی سب سے بڑی سوسائٹی ہے، جس کا قیام ستر برس پہلے عمل میں آیا تھا۔ یہ سوسائٹی آئی کیو ٹیسٹ لیتی ہے اور پھر غیر معمولی ذہین ثابت ہونے والوں کو باقاعدہ سند جاری کرتی ہے۔ مینسا کی جانب سے کیان ہیمر کے

والدین کو خط موصول ہوا ہے، جس میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ان کا بیٹا دنیا کے ایک فی صد انتہائی ذہین انسانوں میں شامل ہے۔

مینسا ذہانت پرکھنے کے لیے جو ٹیسٹ لیتی ہے وہ CATTELL 3-B کہلاتا ہے۔ ڈیڑھ سو سوالات پر مشتمل اس ٹیسٹ میں بالغ فرد زیادہ سے زیادہ ۱۶۱ اور نابالغ ۱۶۲ نمبر حاصل کر سکتا ہے۔ یوں کیان ہیمر نے اس ٹیسٹ میں پورے نمبر حاصل کر کے خود کو آئن اسٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ سے زیادہ ذہین ثابت کیا۔

دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں، جن کا ''آئی کیو'' ۱۶۲ سے بھی زیادہ ہے، مگر انھوں نے سائنس کے میدان کا انتخاب نہیں کیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ ان سائنس دانوں جیسی شہرت حاصل نہیں کر پائے۔ سائنسی مضامین سے کیان ہیمر کو بھی دل چسپی نہیں۔ سائنسی فارمولوں میں سر کھپانے کے بجائے وہ بڑا ہو کر پیشہ ور فٹ بالر بننا چاہتا ہے۔

اس بارے میں ننھے ''ذہین'' کا کہنا ہے: ''آئی کیو ٹیسٹ میں اتنا اچھا اسکور حاصل کرنے اور مینسا کا رُکن بن جانے پر میں بے حد خوش ہوں۔ کئی لوگ مجھے آئن اسٹائن کی طرح سائنس داں بننے کا مشورہ دے رہے ہیں، مگر میں فٹ بالر بننا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کھیل سے عشق ہے۔''

کیان ہیمر کے والد ''رچ ہیمر'' آگ بجھانے کے محکمے میں ملازم ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذہین خیال نہیں کرتے۔ رچ کے مطابق ان کا بیٹا چالاک ضرور ہے، مگر وہ اسے ذہانت سے بھرپور تسلیم نہیں کرتے، البتہ آئی کیو ٹیسٹ میں کیان ہیمر کی شان دار کارکردگی پر وہ فخر ضرور محسوس کر رہے ہیں۔ ☆

جاں نثار دوست

نصرت شاہین

علی کا تعلق خانہ بدوش قبیلے سے تھا۔ ان کا کوئی مستقل گھر نہیں ہوتا۔ ایک دن وہ اپنے خیمے سے نکل کر قریبی پہاڑی کے پاس سے کچھ لکڑیاں جمع کرنے کے بعد جیسے ہی واپس جانے کے لیے مڑا تو اس نے دیکھا کہ ایک ننھا سا کُتا اپنی ماں کے ساتھ چمٹا ایک کونے میں پڑا ہے۔ علی نے دیکھا کہ اس کی ماں سردی اور بھوک کی وجہ سے مر چکی ہے۔ علی جانوروں سے بہت پیار کرتا تھا۔ اس نے ننھے سے کُتے کے پلّے کو اُٹھا لیا اور پیار سے کہا: ''اب تم میرے ساتھ رہو گے۔''

علی نے اس کا نام ڈبو رکھ دیا۔ وہ ڈبو کو بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے خیمے میں لے آیا، جہاں علی کا خاندان رہتا تھا۔ اس نے گرم گرم دودھ ڈبو کو پلایا، جلد ہی ڈبو اس قابل ہو گیا کہ وہ اپنی کانپتی ٹانگوں پر کھڑا ہو سکے۔ ڈبو نے شکریے کے طور پر اپنی دُم ہلائی۔ شروع میں علی نے اس پلّے کو چھپائے رکھا، وہ ڈرتا تھا کہ کہیں اس کے والدین اسے ایسا کم زور جانور رکھنے سے منع نہ کر دیں، لیکن جب ڈبو موٹا تازہ ہو گیا تو اس نے اپنی ماں کو دکھایا۔

''ایک اور کُتا......'' اس کی ماں نے کہا: ''کیا ہمارے پاس پہلے سے کُتے موجود نہیں ہیں، جو ہماری بھیڑ، بکریوں کی رکھوالی کرتے ہیں۔ ہم اس کُتے کی خوراک کہاں سے لائیں گے؟''

ماں نے علی کے باپ سے اس کا ذکر کیا۔ باپ نے کچھ ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے

بعد کُتا رکھنے کی اجازت دے دی، لیکن یہ تاکید بھی کی کہ اسے پوری طرح رکھوالی کرنا سکھاؤ، ہم بے کار جانور نہیں رکھ سکتے۔ علی نے وعدہ کیا اور جلد ہی ڈبو کو اپنی ذمے داری کا احساس دلانے لگا۔

ڈبو بہت بہادر اور نڈر کُتا ثابت ہوا۔ وہ کالو مینڈھے کے دھمکانے سے بھی نہ ڈرتا تھا۔ کالو مینڈھا، ان کے ریوڑ کا سب سے طاقت ور مینڈھا تھا اور ہمیشہ ریوڑ کے آگے آگے چلا کرتا تھا۔ ڈبو کو معلوم تھا کہ کالو کے کُھر بہت خطرناک ہیں اور وہ مزاج کا بھی بہت تیز ہے، پھر بھی ڈبو اس کی پروا نہیں کرتا تھا۔

سردیاں اپنے زوروں پر تھیں۔ علی کے باپ نے اپنے سارے جانوروں کو اکٹھا کیا۔ ان پر خشک میووں اور پھلوں کے تھیلے لاد کر فروخت کرنے کے لیے دوسرے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ خیمے اُکھاڑ کر لپیٹ لیے اور انھیں رسیوں سے باندھ کر گدھوں پر لاد دیا گیا اور یہ قافلہ دشوار پہاڑی راستوں پر چلنے لگا۔ جس راستے سے وہ گزر رہے تھے، وہ بہت تنگ تھا۔ بڑی بڑی چٹانوں کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ کبھی کبھی ان کا یہ راستہ انھیں کسی خطرناک ندی کے کنارے پہنچا دیتا۔ ندی کو پار کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا پُل بنا ہوا تھا۔ علی کا خاندان ایسے پُلوں کو پار کرنے کا عادی تھا۔ وہ اس پُل پر سے ایسے گزر گئے، جیسے کسی چوڑے پُل پر سے گزر رہے ہوں۔

راستے میں ایک آدمی ''الغوزے'' (ایک قسم کا ساز، جو دو بانسریوں پر مشتمل ہوتا ہے) پر میٹھے راگ سناتا جا رہا تھا۔ وہ ان راگوں کو سنتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بھیڑوں، بکریوں اور دیگر جانوروں کے گلے

میں بندھی گھنٹیاں اپنا راگ الگ سنا رہی تھیں۔ آخر یہ قافلہ پہاڑوں سے کافی نیچے اُتر آیا۔ اب یہ ایک ایسی جگہ پر آ گیا تھا، جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ یہاں راستے بھی کافی چوڑے تھے اور چلنے میں کافی آسانی ہو گئی تھی۔

ایک شام انھوں نے دو پہاڑیوں کے درمیان ایک جگہ پر خیمے لگا دیے۔ قریب ہی گھنا جنگل تھا۔ جانوروں پر سے سامان اُتارنے کے بعد نیچے رکھ کر ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد وہ رات کا کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اِدھر بھیڑ، بکریاں گھاس چرنے میں مصروف ہو گئیں۔ اندھیرا چھانے لگا۔ جانوروں کو ایک پناہ گاہ میں دھکیل دیا گیا۔ علی کے خاندان والے اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی جانور کا اِدھر اُدھر اکیلے جانا خطرناک ہے، کیوں کہ کوئی شیر یا چیتا اسے ضرور چیر پھاڑ کھائے گا۔ یہ لوگ دن بھر کے سفر سے تھک چکے تھے، اس لیے جلد ہی اپنے بستروں پر چلے گئے۔ تقریباً آدھی رات کے قریب علی نے محسوس کیا کہ ڈبو اپنی ٹھنڈی ناک اس کی گردن سے رگڑ کر اسے جگانے کی کوشش کر رہا ہے۔

''کیا بات ہے؟'' علی نے پوچھا۔

ڈبو بڑے غور سے ایک آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا، جو دور کہیں وادی سے گونج کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ علی نے بھی سننے کی کوشش کی، لیکن اچانک ایک ہرن کے بولنے کی آواز آئی۔

''کچھ نہیں ڈبو، سو جاؤ۔'' علی نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا، لیکن ڈبو بے چین تھا۔ وہ بے چینی سے خیمے میں چکر لگا رہا تھا۔ آخر وہ خیمے سے باہر آ گیا۔ وہاں بھیڑ،

بکریاں بھی بے چین تھیں اور بڑا محافظ کتا بڑے غور سے دور نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اچانک ایک چیتا نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے ریوڑ کی طرف لپکا اور ایک موٹے تازے مینڈھے کو دبوچ لیا۔ محافظ کتا چیتے کی شکل دیکھتے ہی پیچھے ہٹنے لگا۔ دوسرے کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔

علی جو پوری طرح سویا نہیں تھا، اس اچانک شور کی وجہ سے اُٹھ بیٹھا۔ اس نے دیکھا، ڈبو خیمے میں موجود نہیں ہے۔ وہ فوراً باہر کی طرف لپکا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خطرناک چیتے نے ایک مینڈھے کو دبوچ رکھا ہے۔ علی بغیر سوچے سمجھے اپنے ہاتھ ہلاتے ہوئے چیتے کی طرف بڑھا۔ وہ چیتے کو ڈرا کر بھگانا چاہتا تھا، لیکن خطرناک چیتا ایک چھوٹے سے لڑکے کے ڈرانے پر کیوں کر بھاگتا! چیتے کی آنکھوں میں ایک خطرناک

چمک پیدا ہوئی اور وہ ایک جست لگا کر علی پر جھپٹا۔ علی کی چیخ نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے ایک چھوٹا سا کتا چیتے کی گردن پر جھپٹا۔ یہ ڈبو تھا۔ جب بھی چیتا علی پر حملہ کرنے کے لیے اپنا منھ نیچے کرتا، ڈبو راستے میں آ جاتا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دانت چیتے کی گردن میں دھنس جاتے، جس سے وہ خطرناک درندہ بدحواس ہو جاتا۔ وہ ایک گرج کے ساتھ ڈبو کو ہوا میں اُچھال دیتا، لیکن ایک لمحے بعد ہی ڈبو پھر اس پر حملہ کر دیتا۔

علی میں بھاگنے کی طاقت ختم ہو چکی تھی، اس لیے اس نے اپنا سر ہاتھوں میں چھپا لیا۔ علی کو ایک ایک لمحہ، ایک ایک سال کے برابر معلوم ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نازک سا کتا دیر تک اس کی حفاظت نہیں کر سکے گا، کیوں کہ کتے کے جسم پر جگہ جگہ زخم آ چکے تھے۔

اچانک علی کی ماں کی آنکھ کھل گئی، اس نے تمام لوگوں کو جگا دیا۔ وہ سب لاٹھیاں لے کر اور زور زور سے چلاتے ہوئے چیتے کی طرف بڑھے۔ علی کی ماں نے ایک جلتی ہوئی مشعل چیتے کی طرف پھینکی، آدمیوں کے شور اور مشعل کے شعلوں سے ڈر کر چیتا بھاگ گیا۔ علی کو زیادہ زخم نہیں آئے تھے، صرف کندھا زخمی ہوا تھا۔ علی کی ماں اپنے بیٹے کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئی۔

ڈبو کی حالت بہت خراب تھی۔ سب اس کی حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ اب وہ زندہ نہیں بچے گا۔ علی نے رونا شروع کر دیا۔ اپنے دوست کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ڈبو نے آنکھیں کھولیں اور علی کو تسلی دی، جیسے کہہ رہا ہو: ''گھبراؤ نہیں دوست! میں تمھارے لیے زندہ رہوں گا۔'' چند دن زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد آخر ڈبو نے موت کو شکست دے دی۔ اب بڑی احتیاط سے

اور باقاعدگی کے ساتھ ڈبو کی مرہم پٹی کی جاتی۔

آخر بہت دنوں کے بعد ڈبو ٹھیک ہو گیا۔ وہ پہلے جیسا تن درست اور پھرتیلا ہو چکا تھا، لیکن اس کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ علی کے ساتھ سائے کی طرح رہتا۔ پہلے سے بھی زیادہ وہ اس کی نگرانی کرتا۔ جب کبھی کوئی عزیز ملنے آتا تو ڈبو کو دیکھ کر مذاق اُڑاتے ہوئے کہتا: ''تم نے یہ کیا لولا لنگڑا کتا پال رکھا ہے۔ ہم تمھیں اس سے اچھا طاقت ور کتا دے دیں گے، جو اس سے کم خوراک کھائے گا اور اس سے زیادہ کام کرے گا۔''

ان رشتے داروں کو علی کا باپ جواب دیتا: ''ہمیں ڈبو سے کوئی شکایت نہیں۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر ہمارے بیٹے کی جان بچائی ہے۔ یہ ہمارا بہترین دوست ہے۔''

☆☆☆

خالی گھر

محمد اقبال شمس

وہ گھر تین سال سے خالی تھا۔ خالی گھر میں عموماً جن بھوت وغیرہ بسیرا کر لیتے ہیں۔ اس گھر میں بھی ایک جن نے بسیرا کر لیا تھا۔ وہ اپنی بیوی چڑیل کے ساتھ اس میں رہتا تھا۔ اس گھر کے دعوے دار دو بھائیوں سلیم اور جمیل کے درمیان وراثت کا جھگڑا تھا۔ دونوں کا کیس عدالت میں چل رہا تھا۔ عدالت کے حکم کے مطابق جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا، تب تک اس گھر میں کوئی نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھر طویل عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا۔ اس خالی گھر میں ایک جن اپنی بیوی کے ساتھ مزے کی زندگی گزار رہا تھا۔

ایک دن انھیں جب برادری کی ایک شادی میں جانا تھا۔ اس کی بیوی تھی کہ کسی طرح تیار ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی تیاری میں دیر ہونے کی وجہ سے جن کو غصہ آ رہا تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور وہ چیخ پڑا: ''ارے کیا ہوا؟ اور کتنی دیر لگے گی تیار ہونے میں۔''

بیوی چڑیل نے جواب دیا: ''ارے! میرے گلے میں پہننے کے لیے ہڈیوں کی مالا نہیں مل رہی ہے، وہ ڈھونڈ رہی ہوں۔''

جن خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد وہ پھر بولا: ''ارے! اب کیا ہوا؟''

وہ بولی: ''بس بالوں کو بکھیرنا باقی رہ گیا ہے۔ وہ بکھیر کر آتی ہوں۔''

تھوڑی دیر میں وہ ''تیار'' ہو کر آ گئی۔ گلے میں اس نے ہڈیوں کی ایک لمبی سی مالا

پہن رکھی تھی۔ گالوں پہ ڈالک ملی ہوئی تھی۔ جب کہ بال بے ترتیب سے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بولی: ''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

جن نے کہا: ''ارے! آج تو تم بہت ہی ڈراؤنی لگ رہی ہو۔ دیکھ لینا سب چڑیلوں میں سب سے زیادہ تم ہی خوف ناک لگو گی۔''

یہ سن کر وہ شرماتے ہوئے بولی: ''اچھا اب جھوٹی تعریفیں بند کریں اور چلیں۔''

دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عدالت نے فیصلہ سلیم کے حق میں دیا تھا۔ سلیم کے خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں رہنے کے لیے روانہ ہوا۔ اُدھر جن اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر سے روانہ ہوا تھا، اسی وقت سلیم اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوا۔ وہ گھر گرد و غبار میں اٹا ہوا تھا۔ جگہ جگہ مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے تھے۔ اس کی بیوی زینت صفائی میں لگ گئی۔ سلیم گھر کی بند کھڑکیاں اور دروازے کھولنے لگا۔ بہت عرصے تک بند رہنے کی وجہ سے ایک دروازہ اور کھڑکی نہیں کھل رہی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی، مگر وہ نہ کھلی۔ آخر اس نے اس کام کو کل پر چھوڑ دیا اور اپنی بیوی کے ساتھ مل کر جھاڑ پونچھ میں لگ گیا۔

رات گئے جب جن اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں روشنی دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''گھر میں روشنی ہونا تو کسی طوفان کی نشانی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بولی۔

''دیکھو ہم جب سے اس خالی گھر میں رہ رہے ہیں تو کبھی اس گھر میں روشنی نہیں ہوئی، مگر اب روشنی ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ گھر آباد ہو رہا ہے۔ کوئی انسان ہے

جو اس گھر میں داخل ہوا ہے۔ ہمیں پورا گھر دیکھنا ہوگا۔''

یہ کہہ کر جن گھوم پھر کر گھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک کمرے میں اسے دو انسان بے خبر سوتے ہوئے نظر آئے۔ وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا: ''میرا شک صحیح نکلا۔ یہ گھر آباد ہو گیا ہے۔ اگر یہ گھر آباد رہا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ ہمیں چالیس دن کے اندر اندر اس گھر کو خالی کروانا ہوگا، ورنہ ہمیں یہ گھر چھوڑ کر جانا ہوگا۔ میں انھیں اتنا تنگ کروں گا کہ یہ لوگ اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' یہ کہہ کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

دوسرے دن جن نے اپنی بیوی سے کہا: ''ان لوگوں کو بھگانے کے لیے اب میرا کمال دیکھو۔'' یہ کہہ کر اس نے ہوا میں اپنا ہاتھ گھمانا شروع کیا۔ اس کے ہاتھ گھماتے ہی گھر کے جتنے دروازے اور کھڑکیاں تھیں، وہ خود بخود کھلنے اور بند ہونے لگیں۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سلیم خوشی سے کمرے سے بھاگتا ہوا آیا اور بولا: ''ارے واہ کیا قدرت ہے۔ وہ زلزلہ تھا یا کچھ اور بہر حال کچھ بھی تھا، کھڑکی جو نہیں کھل رہی تھی، وہ خود بخود کھل گئی۔ اس کے لیے تو کسی کاریگر کو بلا کر اسے پیسے دینے پڑتے۔ میرے تو پیسے بچ گئے۔'' یہ سب منظر جب جن نے دیکھا تو اس کا منھ لٹک گیا۔ اب وہ کوئی اور ترکیب سوچنے لگا۔

آج کافی گرمی تھی اور بجلی بھی نہیں تھی۔ سلیم اور اس کی بیوی کا گرمی سے بُرا حال تھا۔ وہ دونوں بیٹھے پنکھا جھل رہے تھے۔ اسی دوران جن اپنی بیوی کے ساتھ آیا اور بولا: ''اب دیکھو میرا کمال کیسا خوف زدہ کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے پھر اپنا ہاتھ گھمانا شروع کیا۔ اچانک ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی، پھر جب اس نے اپنا ہاتھ تیزی سے گھمانا شروع کیا تو اچانک ہوا تیز چلنی شروع ہو گئی۔ اسی دوران سلیم چیخا: ''ارے واہ اس سخت گرمی اور لوڈ شیڈنگ میں کیا خوب ہوا چلی ہے۔ بس یہ ہوا ایسی ہی چلتی رہے۔'' یہ دیکھ کر جن کا منھ ایک بار پھر لٹک گیا۔

جن نے اپنی بیوی سے کہا: ''کمال ہے۔ ہمارا ہر ایک وار ان کے گلے کا ہار بن جاتا ہے، آخر کریں تو کیا کریں؟''

اس کی بیوی بولی: ''لگتا ہے کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلے گا، ٹیڑھی اُنگلی سے نکلے گا۔''

''تم ایسا کیا کرو گی؟'' جن نے پوچھا۔

وہ بولی: ''میں نے سنا ہے کہ انسان ہماری صورت دیکھ لیں تو ان پر وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ بس میں اب اپنی صورت اس پر ظاہر کروں گی، جسے دیکھ کر وہ ضرور خوف سے بھاگ جائیں گے۔'' یہ سن کر جن کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

ایک دن سلیم کو کسی ایسی تقریب میں جانا تھا، جہاں سب کو ایک منفرد میک اپ کر کے آنا تھا۔ اس کی بیوی تیار ہونے بیوٹی پارلر گئی ہوئی تھی۔ سلیم گھر پر اکیلا تھا۔ جن اور اس کی بیوی سلیم کے سامنے کھڑے تھے، مگر سلیم ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جن کی بیوی بولی:

''اب دیکھو تماشا، میں اپنی صورت ظاہر کر رہی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اچانک سلیم کی نظروں کے سامنے آ گئی اور مسکرانے لگی۔ سلیم نے اسے

دیکھا تو پہلے ایک دم ٹھٹکا اور پھر بولا: ''ارے بیگم! یہ تم اچانک کہاں سے آ گئی۔ دیر ہو رہی ہے، تقریب میں نہیں جانا، اتنی دیر لگا دی بیوٹی پارلر والوں نے۔ ویسے بیوٹی پارلر والوں نے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے تمھیں۔ پہچانی نہیں جا رہی ہو۔'' جن کی بیوی نے جب یہ سنا تو اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ اس کا بھی منھ لٹک گیا۔ وہ بھی اسے خوف زدہ کرنے میں ناکام ہوگئی۔ اچانک سلیم کی بیوی بھی آ گئی۔ اسی دوران جن اور اس کی بیوی منھ لٹکائے وہاں سے واپس چلے گئے۔ سلیم نے جب اپنی بیوی کو دیکھا تو بولا:

''ارے! تم تو چھلاوہ بنی ہوئی ہو کبھی یہاں کبھی وہاں۔''

اس کی بیوی بولی: ''ارے بیکار باتیں چھوڑیں دیر ہو رہی ہے، چلیں۔'' سلیم کچھ سوچنے لگا پھر کندھے اُچکا کر اپنی بیوی کے ساتھ باہر کی طرف چل پڑا۔

''چالیس دن پورے ہونے والے ہیں اور ہم انھیں یہاں سے بھگانے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئے ہیں۔'' جن کے چہرے پر بے بسی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی بیوی بولی: ''لگتا ہے، ہمیں خود ہی یہاں سے جانا پڑے گا۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اچانک جن بولا: ''اب ہماری آخری اُمید کی کرن اقالو جن بابا ہیں، وہ ہی ہمیں اس مصیبت سے نکال سکتے ہیں۔''

چڑیل بولی: ''ہاں! تم نے ٹھیک کہا، ہمیں جن وادی جا کر اقالو بابا سے مدد لینی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے، ہم کل رات ہی جن وادی کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔'' اب ان کے چہرے پر کچھ اطمینان کی لہر دوڑنے لگی تھی۔

اگلے دن وہ جن وادی کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ سیدھے اقالو جن بابا کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ اقالو بابا ایک بزرگ جن تھے۔ کسی بھی جن کو کوئی مسئلہ یا پریشانی در پیش ہوتی تو وہ اقالو جن بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ بیان کرتا، جنھیں حل کرنے میں بابا ان کی مدد کرتے۔ وہاں جنات کا رش لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ ان کی باری آئی تو انھوں نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اقالو جن بابا آنکھیں بند کیے ان کا مسئلہ سن رہے تھے۔ آخر میں جن بولا: ''جن بابا! وہ گھر انسانوں سے خالی کرانے میں ہماری مدد فرمائیں۔''

اقالو بابا نے فوراً اپنی آنکھیں کھولی اور بولے: ''کیا ہو گیا ہے آج کل کے جنات کو، انسانوں پر قابو نہیں پا سکتے، جب کہ انسان جنات پر قابو پا لیتے ہیں۔''

''جن بابا! کچھ کریں، ہم آخری اُمید لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔''

اقالو بابا بولے: ''نہ بابا نہ، ابھی بڑی مشکلوں سے ایک جن کے بچے پر انسان کا سایہ ہو گیا تھا، وہ اُتارا ہے اور تم دو انسانوں کی بات کرتے ہو۔''

''جن بابا! بچے پر انسان کا سایہ کیسے ہو گیا تھا۔'' اس بار جن کی بیوی بولی۔

جن بابا نے بتایا: ''دراصل! اسے بھی انسانوں کی بستی میں جانے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے کسی انسان کا گزر ہوا۔ دھوپ کی وجہ سے اس انسان کا سایہ اس پر ہو گیا تھا۔ انسانوں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔ بڑی مشکلوں سے اُتارا ہے۔ پھر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم لوگوں کو جن وادی میں کیا تکلیف ہے، جو انسانوں کی بستی میں گھس جاتے ہو۔ ان کے گھروں پر قبضے کر لیتے ہو۔ یہ باتیں تو صرف انسانوں کو

زیب دیتی ہیں۔ ویسے بھی انسان اشرف المخلوقات ہے اور انھیں شکست دینا کوئی آسان کام نہیں۔'' یہ کہہ کر جن بابا خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولے: ''دیکھو میری مانو اپنی ضد چھوڑ دو اور شرافت سے اپنے لوگوں میں، اپنی بستی میں رہو تو بہتر ہوگا۔'' یہ سن کر وہ دونوں خاموش سے باہر آ گئے۔

اس واقعے کو گزرے دس سال ہو گئے ہیں۔ جن اور اس کی بیوی پلٹ کر پھر انسانوں کی بستی میں نہیں گئے، کیوں کہ وہ جان گئے تھے کہ قدرت نے جسے، جس حال اور جس مقام پر رکھا ہے، وہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ اب تو جو کوئی بھی جن، انسانوں کی بستی میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو جن بابا انھیں سمجھاتے ہیں: ''اپنی مٹی مت چھوڑو، اپنی مٹی سے پیار کرو۔''

☆☆☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گرما گرم گرمی

جوہر عباد

گرما گرم گرمی پڑی تھی ماہ جون میں
گرمی کو بھی گرمی لگی تھی ماہ جون میں

سنسان پڑے رہتے تھے بازار و محلے
رونق تو گھروں میں لگی تھی ماہ جون میں

کرتا رہا قائم ریکارڈ درجۂ حرارت
اک آگ سی بھڑکی ہوئی تھی ماہ جون میں

ہر وقت ٹھنڈے پانی و مشروب کی طلب
کھانے سے نہ رغبت رہی تھی ماہ جون میں

بجلی نے اور پانی نے بھی گرمی کے ساتھ ساتھ
کوئی کسر چھوڑی نہیں تھی ماہ جون میں

برف کی دکانوں میں فقط ایک کلو برف
مہنگی سے مہنگی تر بکی تھی ماہ جون میں

دیوار و در رہتے تھے گرم خوب تپش سے
ہر ایک کی جاں پہ بنی تھی ماہ جون میں

چند دن کی گرمی نے کیے چاروں طبق روشن
سردی تو بس خواب تھی ماہ جون میں

کرتے تھے صبح شام سب بارش کی دعائیں
بارش مگر روٹھی رہی تھی ماہ جون میں

سوچوں میں سب کے تھے شمالی علاقہ جات
خوابوں میں وادیِ مری تھی ماہ جون میں

جوہر میرے پروردگار نے کیا فضل
آخر میں خوب ہوا چلی تھی ماہ جون میں

ہنسی گھر

☺ ایک سیاح پاکستان آیا تو اس نے میزبان سے سوال کیا: "یہاں کے لوگ غیر ضروری الفاظ کا زیادہ استعمال کیوں کرتے ہیں، جیسے کرسی ورسی، ٹی وی شی وی، پانی وانی، روٹی ووٹی وغیرہ۔"

میزبان نے فوراً جواب دیا: "یہاں ایسا ویسا تو جاہل کرتے ہیں، کیوں کہ ان میں عقل وقل تو ہوتی نہیں ہے۔"

مرسلہ : محمد ارسلان صدیقی، کراچی

☺ ایک صاحب کا رات کو سگرٹ پینے کا دل چاہا۔ ہر طرف ماچس ڈھونڈی، کہیں نہیں ملی۔ آخر ناامید ہو کر موم بتی بجھائی اور سو گئے۔

مرسلہ : مقدس امام دین، نواب شاہ

☺ ایک آدمی دکان دار سے بولا: "ایک روپے کا ایزی لوڈ کر دو۔"

دکان دار: "اتنی بڑی رقم ایزی لوڈ کرنے کے لیے حکومت سے منظوری لینی پڑے گی۔"

مرسلہ : محمد عدنان زاہد، کراچی

☺ ایک طالب علم نے اپنے دوست سے کہا: "آج کوئی خطرناک کام کرنے کو دل کر رہا ہے۔"

"یعنی آج تم نے پڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" دوست نے کہا۔

مرسلہ : عبدالرافع، قصور

☺ ٹیچر: "کل سب کو اسکول آنا ہے، میں سورج پر لیکچر دوں گی۔"

شاگرد: "کل ہم نہیں آئیں گے۔"

ٹیچر: "کیوں؟"

شاگرد: "ہماری امی اتنی دور جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔"

مرسلہ : انعم صابر، کراچی

☺ ایک بہت دبلا پتلا آدمی قسائی کے پاس گیا اور کہا: "میرا دو کلو قیمہ بنا دو۔"

قسائی: "ارے آپ کا قیمہ کیا بنے گا، ایک بوٹی بھی مشکل سے نکلے گی۔"

مرسلہ : پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

☺ ایک اخباری رپورٹر دیہاتی سے: "اس ریلوے اسٹیشن پر سب ہی حادثے کا شکار ہو گئے، مگر آپ زندہ ہیں۔ یہ کس طرح ہوا؟"

دیہاتی: "اسپیکر پر اعلان ہوا کہ ٹرین پلیٹ فارم پر آ رہی ہے، تمام لوگ پلیٹ فارم سے اُتر کر پٹری پر آ گئے۔"

رپورٹر: "تو آپ کیسے؟ بچ گئے؟"

دیہاتی: "میں خودکشی کرنے کے لیے پٹری پر لیٹا تھا، اس لیے میں اُٹھ کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔"

مرسلہ : محمد طلحہ محمود، خانیوال

☺ میاں بیوی آپس میں لڑ رہے تھے۔ باہر سے منا آ گیا۔

ماں بولی: "منے! اپنے ابا سے بات نہ کرنا۔ ایک روپیہ دوں گی۔"

ابا بولا: "اپنی اماں سے بات نہ کرنا، میں تمھیں دو روپے دوں گا۔"

منا بولا: "میں آپ دونوں سے بات نہیں کرتا، لائیے تین روپے مجھے دیجیے۔"

مرسلہ : میرہ بتول، حیدرآباد

☺ آنکھوں کے ڈاکٹر نے مریض کو آتے دیکھ کر کہا: "اوہ، آپ کی نظر تو واقعی خراب ہے۔"

"مگر آپ کو کیسے پتا چلا؟" مریض نے پوچھا۔

"اس لیے کہ دروازے کے بجائے آپ کھڑکی سے اندر آئے ہیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

مرسلہ : عبدالرحمٰن، قصور

☺ پولیس ٹرک ڈرائیور سے: "تم نے پچاس آدمی کیوں مارے؟"

ڈرائیور: "جناب! میں تیز رفتاری سے ٹرک چلا رہا تھا۔ اچانک پتا چلا کہ بریک نہیں لگ رہے ہیں۔ اب سڑک پر ایک طرف دو آدمی جا رہے تھے اور دوسری طرف بارات جا رہی تھی۔ اب کس کو مارتا؟"

پولیس: "دو آدمیوں کو مار دیتے، اس طرح نقصان کم ہوتا۔"

ڈرائیور: "میں نے ایسا ہی کیا تھا۔

ایک کو مارا تو دوسرا بارات کی طرف بھاگا۔ میں نے ٹرک اس کے پیچھے لگا دیا۔''

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

😊 ٹیچر غصے سے: '' عمار! کل تم اسکول کیوں نہیں آئے؟''

عمار: ''مس! میں گر گیا تھا، لگ گئی۔''

ٹیچر (پریشانی میں): '' کہاں گر گئے اور کیا لگی؟''

عمار: ''بستر پر گر گیا تھا، آنکھ لگ گئی۔''

مرسلہ : زنیرہ بنت حزب اللہ بلوچ، حیدرآباد

😊 بیٹا: '' ابو! اگر آپ کو پتا چلے کہ میں اول آیا ہوں تو آپ کیا کریں گے؟''

باپ: ''میں تو خوشی سے پاگل ہو جاؤں گا۔''

بیٹا: ''بس اسی ڈر سے میں فیل ہو گیا۔''

مرسلہ : مزمل عبدالحمید، لیاری ٹاؤن

😊 استاد (شاگرد سے): '' بیٹا! فیس لائے ہو؟''

شاگرد (معصومیت سے): '' امی نے کہا تھا، کہہ دینا کہ لانا بھول گیا ہوں۔''

مرسلہ : محمد عمر بن عبدالرشید، سائٹ ٹاؤن

☆ استاد نے شاگرد سے پوچھا: '' اگر سورج نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟''

شاگرد: ''جناب! بجلی کا بل ڈگنا آتا۔''

مرسلہ : زارا ندیم، جگہ نامعلوم

😊 ایک بار کسی گھر میں ایک چور اور اس کا شاگرد گھس گئے۔ چور کا پاؤں مالکِ مکان کی چارپائی سے جا ٹکرایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ چور نے بلی کی آواز نکالی۔ کچھ دیر بعد چور کے شاگرد کا پاؤں بھی مالک مکان کی چارپائی سے ٹکرا گیا۔ اس کو بلی کی آواز نکالنی نہیں آتی تھی۔ اس نے کہا: '' دوسری بلی۔''

مرسلہ : افرح صدیقی، کورنگی

😊 ایک ماں نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کراتے ہوئے کہا: '' میرا بچہ بہت حساس ہے، اسے سزا ہرگز نہ دیجیے گا۔ اگر اتفاق سے یہ شرارت کر بیٹھے تو اس کے برابر والے بچے کو زوردار تھپڑ مار دیجیے گا، یہ خود بخود ڈر جائے گا۔''

مرسلہ : زنیر عاشر، بلوچستان

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

تین سو تیرہ

مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان پہلی جنگ ۱۷- رمضان المبارک ۲ ہجری کو مدینے میں بدر نامی کنویں کے قریب ہوئی، اس لیے اس جنگ کو ''غزوہ بدر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ غزوہ کفار کے خلاف اس جنگ کو کہتے ہیں، جس میں حضورِ اکرمؐ خود شریک ہوئے ہوں۔ اس غزوے میں مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ تھی۔

بنی اسرائیل کے نیک اور مجاہد بادشاہ طالوت، جب جالوت کے خلاف جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھیوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جو نہر تک ان کے ساتھ پہنچے تھے۔ جنگ کے دوران حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا تھا اور حسبِ وعدہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شادی طالوت کی بیٹی سے ہوئی۔

پہلے خلیفہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اُموی خلافت کا دور شروع ہوا۔ پہلے اُموی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، جو ابوسفیانؓ کے بیٹے تھے۔ حضرت معاویہؓ صحابیِ رسولؐ اور کاتبِ وحی تھے۔ ان کا دورِ حکومت ۴۱ ہجری سے ۵۹ ہجری تک رہا۔ ان کے دور میں اسلام دور دور تک پھیلا اور امن و امان رہا۔ انھوں نے خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عدل و انصاف کا بول بالا کیا۔ بنو اُمیہ کے نوے سال دورِ حکومت میں کل چودہ حکمران گزرے۔

بنو اُمیہ کے بعد عباسی دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ اس کے پہلے حکمران ابوالعباس

سفاح تھے۔ اس خاندان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہے۔ ان کا دورِ حکومت ۷۴۹ ہجری سے ۷۵۴ ہجری تک ہے۔

پہلی خاتون وائس چانسلر/ چانسلر

۱۶-اکتوبر ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف، اسلام آباد فیڈرل یونی ورسٹی میں وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہوئیں۔ وہ پاکستان کی کسی بھی یونی ورسٹی کی مقرر ہونے والی پہلی خاتون وائس چانسلر ہیں۔ ان کو درس و تدریس کا طویل تجربہ تھا۔

۱۳-فروری ۱۹۷۳ء کو عین اپنی ۶۸ ویں سال گرہ کے دن بیگم رعنا لیاقت علی خاں کو صوبہ سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ وہ پاکستان کی پہلی خاتون گورنر تھیں۔ گورنر صوبے کی تمام جامعات کا چانسلر ہوتا/ ہوتی ہے۔ اُس وقت صوبہ سندھ کی دو سرکاری جامعات، جامعہ کراچی اور جامعہ سندھ، جام شورو تھیں۔ اس اعتبار سے وہ پاکستان کی پہلی خاتون چانسلر بھی بن گئیں۔ وہ اس منصب پر ۲۹ فروری ۱۹۷۶ء تک رہیں۔ وہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی اہلیہ تھیں۔

عین سال گرہ کے دن

انگریزی زبان کے مشہور شاعر اور ڈراما نگار ولیم شیکسپیئر کی پیدائش ۲۳-اپریل ۱۵۶۴ء کو ہوئی۔ اتفاق سے ان کا انتقال بھی اپریل کی ۲۳ تاریخ کو اپنی سال گرہ والے دن ہوا۔ سنہ ۱۶۱۶ء تھا۔ ولیم شیکسپیئر کے مشہور ڈراموں میں ہیملٹ، میکبتھ، جولیس سیزر، رومیو اینڈ جولیٹ اور مرچنٹ آف وینس شامل ہیں۔

اردو زبان میں جاسوسی ناول لکھنے والے ایک بڑے ادیب ابنِ صفی بھی اپنی سال گرہ کے دن اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کا اصل نام اسرار احمد تھا۔ وہ ۲۶ جولائی

۱۹۲۸ء کو ضلع الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تین سو کے قریب ناول لکھے۔ ان کے مشہور کرداروں میں علی عمران، کرنل فریدی اور کیپٹن حمید شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو کراچی میں ہوا۔

فنونِ لطیفہ/فنونِ ثقیلہ

فنونِ لطیفہ، وہ فنون (فن کی جمع) کہلاتے ہیں، جن میں دماغی یا فکری محنت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً مصوری، خطاطی، موسیقی، مجسمہ سازی اور شاعری وغیرہ۔

فنونِ ثقیلہ، وہ فنون ہیں جن میں جسمانی محنت زیادہ درکار ہوتی ہے۔ مثلاً پہلوانی، مختلف اقسام کے میدانی کھیل، باکسنگ اور تیراکی وغیرہ۔

زیر-زبر

عالِم (لام کے نیچے زیر)، عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی جاننے والا، دانا، پڑھے لکھے کے ہیں۔

عالَم (لام پر زبر)، یہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی دنیا، جہان، سنسار اور مخلوق کے ہیں۔

لِقا (لام کے نیچے زیر) عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی چہرہ، شکل یا صورت کے ہیں۔

لَقا (لام پر زبر) اردو کا لفظ ہے۔ اس سے مراد ایک قسم کا کبوتر ہے، جو اپنی گردن دُم سے لگائے رکھتا ہے۔

☆☆☆

میرا بہترین دوست

انتخاب : تحریم خان

ہمارے ٹیچر، مشتاق نامی لڑکے سے بے حد بیزار تھے۔ مشتاق کا کمال یہ تھا کہ ٹیچر اسے جو بھی مضمون لکھنے کو کہتے وہ کسی نہ کسی طرح اس مضمون میں ''میرا بہترین دوست'' ضرور فٹ کر دیتا، کیوں کہ یہ وہ واحد مضمون تھا جو اسے فرفر یاد تھا۔ مثلاً اس سے اگر کہا جاتا کہ ''ریلوے اسٹیشن'' پر مضمون لکھو تو وہ کچھ اس طرح سے شروع ہوتا: ''میں اور میرا باپ ''چیچوں کی ملیاں'' جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے۔ وہاں گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی میں میرا بہترین دوست غلام رسول بیٹھا ہوا تھا۔ غلام رسول بہت اچھا لڑکا ہے، غلام رسول......''

اگر اسے ''میرا پسندیدہ استاد'' پر مضمون لکھنے کو کہا جاتا تو وہ کچھ یوں شروع ہوتا: ''ماسٹر افتخار میرے پسندیدہ استاد ہیں۔ ایک روز میں ان کے گھر گیا۔ وہاں میرا بہترین دوست غلام رسول بیٹھا ہوا تھا۔ غلام رسول میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمۂ پولیس میں......اور غلام رسول......'' وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے جب کبھی ''ایک کرکٹ میچ'' یا ''ایک پکنک'' کی باری آتی تو غلام رسول وہاں بھی موجود ہوتا۔ ایک روز ماسٹر صاحب نے تنگ آ کر کہا:

''دیکھو مشتاق! یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جگہ تمھارا بہترین دوست غلام رسول موجود ہو۔ آج تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھو اور یاد رکھنا کہ غلام رسول ہوائی جہاز میں موجود نہیں ہے۔''

دوسرے روز مشتاق ''ہوائی جہاز کا سفر'' پر جو مضمون لکھ کر لایا وہ کچھ اس طرح کا تھا: ''میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئرپورٹ گیا۔ وہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کے دو پر تھے۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ جہاز میں غلام رسول نہیں تھا۔ پھر جہاز اڑنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو میں نے دیکھا کہ زمین پر میرا بہترین دوست غلام رسول جا رہا ہے۔ غلام رسول میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمۂ پولیس...... اور غلام رسول...... غلام رسول......'' ماسٹر صاحب نے یہ مضمون پڑھ کر مولا بخش پکڑ لیا اور مشتاق غریب کا بُرا حال کر دیا۔

(مستنصر حسین تارڑ کی کتاب ''گزارہ نہیں ہوتا'' سے لیا گیا)

صحت مند ماحول کے لیے شجر کاری کی اہمیت

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ: سید علی بخاری

ہمارے چاروں طرف آلودگی کا زہر آہستہ آہستہ ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ آلودگی سے انسانی زندگی کو سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ اس کی سب سے اہم وجہ درختوں اور پودوں کی کٹائی ہے۔ درخت جتنے زیادہ ہوں گے، وہاں کی آب وہوا اتنی ہی صاف اور شفاف ہوگی، جس سے فضائی آلودگی کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ اسلام نے ماحولیاتی صحت کے لیے صفائی اور شجر کاری کے احکام صادر فرما کر اس مسئلے کا حل بتا دیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس امر کا عملی نمونہ نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے شجر کاری کو صدقہ قرار دیا۔ جو مسلمان درخت لگائے، پھر اس میں سے کوئی کھائے تو لگانے والے کو صدقے کا ثواب ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر قیامت کی گھڑی آ جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اس کو لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو۔ عام سایہ دار نمائشی درخت، خاص طور پر پھل دار درخت لگانے کی حوصلہ افزائی کی جائے تو نہ صرف ہم خوراک کے معاملے میں بڑی حد تک اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، بلکہ ملک سے باہر بھی بھیج سکتے ہیں۔ یہ نئے درخت ہماری آیندہ نسلوں کے لیے اثاثہ ہوں گے۔ اسلام میں دورانِ جنگ بھی پھل دار اور سایہ دار درختوں کو کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ شہد، پھل، روغنیات اور دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں اور مختلف قسم کے ریشے درختوں کی ہی پیداوار ہیں۔ پاکستان میں قدرتی جنگل رفتہ رفتہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں، وہ پاکستان کے کل رقبے کے تین یا چار فی صد تک ہیں۔ درخت و جنگلات ہی ہیں جو کسی خطے زمین کی آب وہوا کو موزوں اور معتدل بناتے ہیں، یعنی جنگلات سے گرمیوں میں حد سے

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کے تحت شجر کاری مہم میں شریک ڈائریکٹر باغِ جناح جناب شاہد اقبال اور جناب سید علی بخاری نونہالوں کے ساتھ

زیادہ گرمی یا جاڑوں میں زیادہ سردی نہیں ہونے پاتی۔ درخت ہواؤں اور آندھیوں کا زور بھی توڑ دیتے ہیں۔ درخت زمین کی خوب صورتی کو چار چاند لگاتے ہیں اور خوب صورت مفید پرندوں کی پناہ گاہیں بھی ہیں۔ درخت ماحول کو خوش گوار اور صحت افزا بناتے ہیں۔ جنگلات ہوا کو آبی بخارات میں تبدیل کر کے بارش برساتے ہیں۔ درخت انسانوں اور جانوروں کے لیے خوراک فراہم کرتے ہیں۔ درختوں سے آکسیجن بھی ملتی ہے۔ گزشتہ دنوں ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کے زیرِ اہتمام باغِ جناح لاہور میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا، جس میں مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے شرکت کی۔ مہمانِ خصوصی پروجیکٹ ڈائریکٹر باغِ جناح محترم شاہد اقبال تھے۔ نونہال مقررین نے بھی درختوں اور پودوں کی اہمیت سے آگاہ کیا اور زور دیا کہ اچھے پاکستانی کی حیثیت سے ہمیں کم از کم ایک پودا ضرور لگانا چاہیے، تاکہ آنے والے دور میں یہ پودے تن آور درخت بن کر کھڑے ہو جائیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ: حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں عالمی یومِ صحت (ورلڈ ہیلتھ ڈے) کے موقع پر منعقد خصوصی اجلاس کے مہمانِ خصوصی بین الاقوامی ادارہ صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) پاکستان، اسلام آباد کے نیشنل پروفیشنل آفیسر محترم شہزاد عالم خاں تھے۔ رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی بھی شریک تھے۔ اس اجلاس کا موضوع تھا:

''ذیابیطس خطرات سے آگاہی اور احتیاطی تدابیر''

اسپیکر نونہال اسمبلی عائشہ اسلم تھیں۔ تلاوتِ قرآن مجید اور ترجمہ نونہال شائستہ فریدون نے، حمدِ باری تعالیٰ نونہال مقدس نور اور ساتھیوں نے اور نعتِ رسول مقبولؐ نونہال رئیس ارشد نے پیش کی۔ نونہال مقررین میں عیشا سحر، رطابہ ساجد، آمنہ غفار، شہیر سرفراز اور ابراہیم رافع شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ دنیا بھر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ (خصوصاً شہری آبادی) ذیابیطس نامی تکلیف دہ بیماری سے واقف ہے۔ اسے عرفِ عام میں شوگر کا مرض بھی کہا جاتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق ۲۰۱۲ء میں پندرہ لاکھ افراد مذکورہ مرض کے نتیجے میں موت سے ہمکنار ہوئے، جس میں سے اسی فی صد لوگوں کا تعلق غریب ممالک سے تھا۔ ذیابیطس ایک ایسی بیماری ہے، جس کا شکار ہونے والا فرد اگر احتیاط سے کام نہ لے تو نتیجتاً وہ عارضۂ قلب، فالج، اندھاپن اور اعصابی ٹوٹ پھوٹ کے علاوہ دیگر تکالیف میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ذیابیطس کے مرض کا شکار کوئی شخص اگر مکمل احتیاطی تدابیر اختیار کرلے اور معالج کے مشوروں کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھے تو وہ معمول کی زندگی بغیر کسی تکلیف کے گزار سکتا ہے اور بے شمار پیچیدگیوں سے بچ سکتا ہے۔ سادہ طرزِ زندگی، سادہ خوراک، ورزش کا معمول اور تجویز کردہ ادویہ کا باقاعدگی سے

☆ ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں جناب شہزاد عالم خان، جناب نعیم اکرم قریشی اور نونہال مقررین ☆

استعمال اس مرض کو اپنی تباہ کاریاں پھیلانے سے یقیناً روک سکتا ہے۔ عالمی ادارۂ صحت (WHO) نے اس سال عالمی یومِ صحت (۷-اپریل ۲۰۱۶ء) پر صحت کے اسی اہم مسئلے کو اپنی آگہی مہم کا عنوان بنایا ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان صحت کے تعلق سے شعور و آگہی کی اسی کوشش میں ہمیشہ کی طرح (WHO) کے ساتھ ہے۔

محترم شہزاد عالم خان نے کہا کہ ہمارے ہاں روزمرہ زندگی میں فاسٹ فوڈ اور جنک فوڈ کا استعمال بہت بڑھ چکا ہے اور جسمانی مشقت کا رجحان بہت کم ہو چکا ہے، اسی وجہ سے ملک میں موٹاپا بڑھ رہا ہے، جو بہت تشویش کی بات ہے۔ کوئی بھی بیماری جو بیک وقت کئی افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اسے وبائی مرض (EPIDEMIC) کہا جاتا ہے۔ اس وقت موٹاپا بھی ایک وبائی مرض کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ذیابیطس کا مرض اس وقت دنیا میں تیزی سے پھیلنے والے امراض میں سے ایک بن چکا ہے۔ شوگر کے مریض گینگرین نامی مہلک مرض کا شکار بھی ہو سکتے ہیں، جس میں جسم کے بعض حصے مردہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے دوا کے ساتھ ضروری ہے کہ روزانہ کم سے کم ۳۰ منٹ ورزش کریں یا تیزی سے چلیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

اس موقع پر نونہالوں نے موضوع کے مطابق ایک دل چسپ خاکہ پیش کیا۔ نونہالوں میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد آخر میں دعائے سعید پیش کی گئی۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

کہانی: تالستائی انتخاب: فیصل ناصر

جنگ جاری تھی اور پورے عروج پر تھی۔ اچانک مخالف سمت سے توپ کا ایک گولا ان کے ٹینک کے بالکل اوپر گرا۔ دو سپاہی فوراً ہی ختم ہو گئے۔ دوسرا گولا آیا اور ٹینک سے شعلے اُٹھنے لگے۔ ٹینک کا ڈرائیور بڑی پھرتی سے باہر کود گیا اور جلتے ہوئے ٹینک سے ایک نوجوان سپاہی کو کھینچ لیا۔ نوجوان سپاہی کے کپڑوں میں آگ لگ چکی تھی۔ منھ، ہاتھ اور جسم کے دوسرے حصے بُری طرح جھلس گئے تھے۔ ڈرائیور نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے زمین پر لٹایا اور مٹھیاں بھر بھر کر ریت اس پر ڈالنے لگا۔ جلد ہی آگ بجھ گئی۔ نوجوان

تکلیف کی شدت سے کراہنے لگا۔ اتنے میں ایک اور دھماکا ہوا اور جلتے ہوئے ٹینک کے پرخچے اُڑ گئے، مگر نوجوان سپاہی ٹونی اپنے ساتھی کی ہوشیاری سے بچ گیا۔

ٹونی کئی مہینے اسپتال میں رہا، جہاں اس کے کئی آپریشن ہوئے۔ زخم خشک ہونے کے بعد اس کی پلاسٹک سرجری ہوئی اور اسے مصنوعی ناک، ہونٹ اور کان لگا دیے گئے۔ جب پٹیاں کھلیں تو نرس نے اسے آئینہ دیا، تاکہ اپنی صورت دیکھ لے۔ ٹونی نے اپنا چہرہ دیکھا، چہرہ جھلس کر خراب ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ کہے بغیر فوراً ہی آئینہ نرس کو لوٹا دیا۔ ٹونی ٹھیک تو ہو گیا تھا، لیکن فوج کے طبی بورڈ نے اسے ملازمت کے لیے نااہل قرار دے دیا۔

ٹونی کو بہت رنج ہوا۔ وہ فوراً اپنے جنرل کے پاس گیا اور درخواست کی کہ اب میں صحت مند ہو گیا ہوں، اس لیے مجھے دوبارہ رجمنٹ میں جانے کی اجازت دی جائے۔

جنرل نے جواب دیا: ''لیکن تمھیں تو فوجی خدمات کے لیے نااہل قرار دیا جا چکا ہے۔''

''مگر کیوں! میرا چہرہ خراب ہو گیا تو کیا ہوا، اس سے میری قوت اور تجربے پر تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں ہر قیمت پر فوج میں واپس آنا چاہتا ہوں۔''

ٹونی کے بے حد اصرار پر اسے اجازت دے دی گئی، البتہ رجمنٹ میں جانے سے قبل اسے چند دن کی چھٹیاں دے دی گئیں، تاکہ وہ اپنے گھر والوں سے مل لے۔

......☆......

ریل اسٹیشن پر رکی۔ موسم کی خرابی کے سبب ٹونی کو کوئی سواری نہ ملی۔ وہ پیدل ہی اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ برف باری کی وجہ سے ساری زمین سفید ہو رہی تھی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ جسم میں تیر کی طرح گھسی جا رہی تھی۔ ٹونی موسم سے لڑتا ہوا جب گاؤں پہنچا تو شام ہو رہی تھی۔

وہ ایک گلی میں مڑا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گلی کے کونے سے چھٹا مکان اس کا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ ایک ہی جست میں گھر جا پہنچے، مگر کچھ سوچ کر قدم رک گئے اور پیشانی پر سلوٹیں آ گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا گھر کی طرف چل پڑا۔ قریب پہنچ کر اس نے کھڑکی سے اندر جھانکا۔ صحن میں شمع روشن تھی۔ اس کی ماں دھندلی روشنی میں دسترخوان بچھا رہی تھی۔ اس کا جی چاہا دوڑ کر ماں سے لپٹ جائے، مگر وہ ضبط کیے کھڑا رہا۔ ماں کچھ زیادہ بوڑھی ہو گئی تھی۔ اب تو اس کے شانے کی ہڈیاں بھی نظر آنے لگیں۔ اس نے سوچا۔ پھر آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے ماں کی آواز آئی۔

''میں لیفٹیننٹ ہوں۔ میدانِ جنگ سے آیا ہوں۔''

دروازہ کھلا تو ماں نے کہا: ''کیا بات ہے بیٹا!''

ٹونی کے دل پر جیسے آری سی چلی۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اسے نچوڑ دیا ہو۔ ماں ہو کر بھی وہ اسے پہچان نہ سکی۔ بہتر یہی ہے کہ میں بھی اپنی شناخت نہ کراؤں۔ وہ اپنے اوپر ضبط کرتے ہوئے بولا: ''میں ٹونی کا دوست ہوں، اس نے مجھے آپ سب کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

''بیٹھو بیٹا! بیٹھو یہ تمھارا گھر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیٹے کی خیریت کا تو پتا چلا۔'' ماں خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔

ٹونی خاموشی سے اس پرانی بنچ پر بیٹھا گیا، جہاں بچپن میں بیٹھا کرتا اور ان دنوں اس کے پاؤں زمین تک نہیں پہنچتے تھے۔

''بیٹا! تم نے ٹونی کے متعلق کچھ بتایا نہیں؟'' ماں نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا۔ ٹونی فوراً اس کے بیٹے کی بہادری کی داستانیں سنانے لگا۔

اتنے میں اس کا باپ بھی آ گیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ٹونی سے مصافحہ کیا۔ ٹونی حیران تھا کہ باپ نے بھی اسے نہیں پہچانا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اجنبی! تم کون اور کس لیے آئے ہو۔ شاید وہ اسے وردی میں دیکھ کر سمجھ گیا ہو کہ اس کے بیٹے کا کوئی دوست ہوگا۔ ٹونی کا دل چاہا کہ باپ سے لپٹ کر خوب روئے اور فریاد کرے: ''تم مجھے پہچانتے کیوں نہیں۔''

مگر اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بند کر لیے اور اپنے ہی گھر میں مہمان بن کر گھر والوں سے باتیں کرنے لگا۔

رات کے کھانے کا وقت ہوا۔ کھانے کے دوران ماں بار بار اس کو دیکھتی رہی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ یہ نوجوان بھی اس کے بیٹے کی طرح چمچہ پکڑتا ہے اور اسی کے انداز میں کھا رہا ہے۔ کھانے کے دوران ٹونی نے ڈھیر سارے سوالات پوچھے۔ فصل کیسی رہی؟ کٹائی کے لیے مزدوروں کا بندوبست ہوگیا یا نہیں؟ اجناس کی قیمتیں کیسی جا رہی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

باپ نے بھی اس سے کئی باتیں پوچھیں۔ جنگ کب ختم ہوگی؟ پلہ کس کا بھاری ہے؟ ماں نے صرف ایک سوال کیا: ''میرے بیٹے کو چھٹی کب ملے گی؟ وہ ہم سے ملنے کب آئے گا؟ گھر سے گیا تھا تو بہت نرم طبیعت کا تھا، مگر جنگ میں جوان پتھر دل ہو جاتے ہیں۔ اب تو میرا بیٹا بہت بدل گیا ہوگا۔''

ٹونی جھٹ سے بولا: ''ہاں اماں! تم اسے دیکھو تو شاید پہچان بھی نہ سکو۔'' یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ کھانے کی میز سے اُٹھے تو ماں نے فوراً اس کے لیے بستر تیار کیا۔ وہ بستر پر لیٹ گیا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دیر تک سوچتا رہا کہ کیا یہ ممکن ہے، ایک ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو نہ پہچان سکے۔ دنیا کے رشتوں سے اس کا اعتبار اُٹھنے لگا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو ماں چولھے میں آگ جلا چکی تھی۔ ٹونی کی کمر سے باندھنے والی پیٹی دھلی دھلائی رکھی تھی۔ جوتے پالش کیے ہوئے تھے۔ شاید ماں نے اس کے سوتے میں یہ سارا کام کیا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بولی: ''میٹھی روٹی کھاؤ گے؟''

''ہاں ضرور کھاؤں گا۔'' ٹونی پیٹی کستے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا: ''اماں! اس گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا، اس کا نام شاید کیٹو تھا؟''

''ہاں ہاں، کیٹو یہیں رہتا ہے، اب تو پڑھ لکھ کر استاد بن گیا ہے اور اسی گاؤں

میں پڑھاتا ہے۔ لگتا ہے میرے ٹونی نے تمھیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔'' ماں نے جواب دیا۔

ٹونی نے کہا: ''تم نے ٹھیک پہچانا اماں! مجھے ٹونی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ کیا کیٹو یہاں آ سکتا ہے۔''

ماں نے فوراً محلے کی ایک بچی کو کیٹو کو بلوانے بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد کیٹو دوڑتا ہوا آیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی جھلک رہی تھی۔ وہ کسی تعارف کے بغیر ٹونی سے مخاطب ہو کر بولا: ''تم ضرور ٹونی کے قریبی دوست ہو۔'' یہ کہہ کر وہ بہت قریب آ گیا، مگر جیسے ہی اس کی نظر ٹونی کے چہرے پر پڑی وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ دیکھ کر ٹونی کو دھچکا سا لگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ آج ہی واپس چلا جاؤں گا، حال آں کہ اس کی چند چھٹیاں باقی تھیں۔

وہ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ رسمی طور پر اسے روکا گیا، مگر وہ نہ رکا۔ ماں نے اسے تاکید کی کہ پہنچتے ہی بیٹے سے خط لکھنے کا کہہ دینا۔ باپ نے گھوڑا گاڑی کا بندوبست کیا، مگر ٹونی نے منع کر دیا اور پیدل ہی ریلوے اسٹیشن چلا گیا۔ وہ بہت مایوس اور افسردہ تھا۔

جب وہ اپنی رجمنٹ میں پہنچا تو اس کی واپسی پر دوسرے سپاہیوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ ٹونی کوشش کرنے لگا کہ گھر کی یاد نہ آئے۔ اس نے ماں کو خط بھی نہ لکھا۔ کیٹو کو تو وہ بھلا دینا چاہتا تھا، جو اسے دیکھتے ہی ڈر گیا۔

دن گزرتے گئے۔ ٹونی نے رجمنٹ میں اپنی باقی سابقہ جگہ دوبارہ پیدا کر لی۔

کچھ مہینوں بعد اسے ایک خط ملا۔ یہ اس کی ماں کی طرف سے تھا، لکھا تھا: ''جان سے زیادہ عزیز بیٹے ٹونی! اُمید ہے کہ تم خیریت سے ہو گے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے ندامت سی محسوس ہو رہی ہے، مگر کیا کروں لکھے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ چند مہینے پہلے ایک آدمی

تمھاری خیریت کی خبر دینے آیا تھا۔ آدمی بڑا اچھا تھا، مگر اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ شروع میں تو اس نے بتایا کہ کچھ دن ٹھیرے گا، مگر نجانے کیا بات ہوئی اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور دوسرے ہی دن چلا گیا۔ اس روز سے مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ وہ آدمی تم تھے۔ شک تو مجھے اس وقت بھی ہوا تھا، مگر تمھارے ابا کے خوف سے چپ رہی۔ بعد میں ہمت کر کے میں نے ذکر کیا تو وہ مجھ سے بولے کہ تم تو بالکل سٹھیا گئی ہو۔ بھلا وہ آدمی ہمارا ٹونی کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر ٹونی کا چہرہ واقعی مسخ ہو گیا ہوتا تو ہم سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک سپاہی کے لیے یہ بات فخر کا باعث ہوتی ہے کہ اس نے اپنا چہرہ بھی وطن پر قربان کر دیا۔ سپاہی تو ایسے چہروں پر فخر کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر تمھارے ابا چپ ہو گئے، مگر بیٹا! میرا دل ان باتوں کو نہیں مانتا۔ وہ آدمی جب سویا تو میں بے اختیار اس کا کوٹ اُٹھا کر باہر لے گئی اور اسے چومنے لگی۔ اگر وہ تم نہیں تھے تو ماں کا دل کیوں تڑپ گیا تھا؟ میرے بچے! میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ آدمی تم تھے۔ فقط تمھاری ماں۔''

☆

اس بلا عنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۰۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- جون ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

بیت بازی

یہ ارضِ مقدس ہے ، یہ طیبہ کی زمیں ہے
جنت بھی یہیں ، ساکنِ جنت بھی یہیں ہے

شاعر: چندر پرکاش جوہر بجنوری — پسند: ثامیہ ،ماں ، ورو کراچی

کہساروں کا دل پگھلا تو چشمے ہوئے جاری
اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ پتھر نہیں روتے

شاعر: فاطر غزنوی — پسند: شائمہ ذیشان ،ملیر

سرسبز ہیں گلزار ، ثمر لائے ہیں اشجار
بے آب پڑا ہے مگر ، ایمان کا گلزار

شاعر: مرزا دبیر — پسند: خدیجہ صدہ ، جہلم

اشکوں میں جو پایا ہے ، وہ گیتوں میں دیا ہے
اس پر بھی سنا ہے کہ زمانے کو گلہ ہے

شاعر: ساحر لدھیانوی — پسند: ایم اختر اعوان ، کراچی

پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصر
دردِ سینے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے

شاعر: ناصر کاظمی — پسند: محمد وقار الحسن ، حویلی لکھا

دھوپ کا روپ رچانے والے
شام کو اور نکھر جاتے ہیں

شاعر: محسن نقوی — پسند: رویدہ ناز ، کراچی

خدا کی زمیں پہ تو رزق ہرگز کم نہیں یارو!
مگر یہ کاٹنے والے ، مگر یہ بانٹنے والے

شاعر: امجد اسلام امجد — پسند: خرم خان ، کراچی

کہاں سے آتی ہے دولتِ تخلیق! راتوں رات
سوال اہلِ ہنر سے یہ کر کے دیکھتے ہیں

شاعر: شکیل فاروقی — پسند: محمد منیر نواز ، ناظم آباد

میرے لیے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

شاعر: حسین سحر — پسند: آصف بزدار ، میر پور ماتھیلو

علم کے سوداگروں سے پوچھیے
کتنے میں ڈگری ملی بازار سے؟

شاعر: جمیل اختر نادم — پسند: پارس احمد خان ، اورنگی ٹاؤن

کوئی اچھا عمل تو آج کر لے
کہ کل آئے ، نہ آئے کیا خبر ہے

شاعر: نسیم حیدر — پسند: حسام عامر ، نئی کراچی

کڑی سزائیں ملیں بے گناہوں کی ہمیں
بھری بہار تھی ، جب آشیاں جلائے گئے

شاعر: سید مقبول عابدی — پسند: علینہ سلیم ، رحیم یار خان

سنا ہے ، خوشبوئیں دیتی ہیں ساتھ دیر تلک
گلاب کی کوئی پتی مسل کے دیکھوں گا

شاعر: ڈاکٹر قیصر عباس زیدی — پسند: سید ماز علی ہاشمی ، کورنگی

آج اپنے دوستوں کی صورتیں پہچان لو
یہ کسے معلوم ، کل کو کون کیا ہو جائے گا

شاعر: ریاض مجید — پسند: عاقب خان جدون ، ایبٹ آباد

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

ارسلان اللہ خان ، حیدر آباد — زہرہ کنول احمد ، کورنگی

سمیرہ بتول ، حیدر آباد — عاصمہ فرحین ، کراچی

ملک محمد طفیل ، جہلم — محمد ابراہیم قریشی ، راولپنڈی

رمضان

مرسلہ : ارسلان اللہ خان ، حیدر آباد

چلو نیکیوں کو کریں اختیار
کہ آئی ہے رمضان کی پھر بہار
سحر بھی ہے ، افطار بھی اس میں ہے
محبت بھی ہے ، پیار بھی اس میں ہے
مہینا یہ ہر اک سے ممتاز ہے
حقیقت میں یہ رب کا اعجاز ہے
عبادت پہ ہرگز نہ کرنا غرور
نہ رحمت کہیں تم سے ہو جائے دور
ہوا قید ابلیس زندان میں
ہے جاں پڑ گئی پھر سے ایمان میں
فضا ساری برکت سے معمور ہے
خدا کی رضا ، سب کا دستور ہے
ہے رمضان میں اہمیت صبر کی
اسی ماہ میں رات ہے قدر کی
نہ کیوں ہوگا رمضان کا فیض عام
کہ نازل ہوا اس میں رب کا کلام
تہجد ، تراویح اور اعتکاف
خدا کے کرم کا کریں اعتراف
فضیلت ہے یہ وقتِ افطار کی
ملے گی خوشی رب کے دیدار کی
یہ ہیں ساری اس ماہ کی برکتیں
مساجد میں در آئی ہیں رونقیں
چلو ارسلان رب سے مانگیں دعا
کہ ہو جائے تقویٰ بھی ہم کو عطا

ایک عظیم فلسفی

سمیرہ بتول، حیدرآباد

سقراط ایک عظیم فلسفی تھا۔ وہ ۴۷۰ قبل مسیح میں یونان کے معروف شہر ایتھنز میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ سقراط کے شاگرد مشہور فلسفی افلاطون کا کہنا ہے کہ وہ ایک مجسمہ ساز تھا۔ اس نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر کئی جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا اور بہادری دکھائی تھی۔ علمی مسائل کی وجہ سے وہ گھر بار اور خاندان سے دور رہتا۔ وہ فطرتاً نرم مزاج شخص، انصاف پسند استاد، حق پرست اور اعلا اخلاقی اوصاف کا مالک تھا۔

ایک مرتبہ دورانِ سفر کسی نے سقراط سے پوچھا: ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' تو بجائے ''ایتھنز'' کا نام لینے کے سقراط نے جواب دیا: ''میں دنیا کا رہنے والا ہوں۔''

سقراط کے اس جواب سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے وسیع اور روشن خیالات کا مالک تھا۔ وہ تمام دنیا کو اپنا وطن اور تمام انسانوں کو اپنا اہل وطن اور دوست سمجھتا تھا۔

کسی نے سقراط سے پوچھا: ''میں نے تمھیں کبھی غمگین اور رنجیدہ نہیں دیکھا۔''

سقراط نے جواب دیا: ''میں اپنے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا، جس کے چھن جانے کا مجھے غم ہو۔''

تاریخ بتاتی ہے سقراط نے تین شادیاں کی تھیں۔ اس کی ایک بیوی بہت جھگڑالو عورت تھی۔ وہ دوسروں کو مارنے سے بھی نہیں چوکتی تھی۔ اس نے سقراط پر بھی ہاتھ اُٹھایا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سقراط کے سر پر مٹکا پھینک دیا، جس کی وجہ سے سقراط کا سر پھٹ گیا، مگر سقراط پھر بھی مسکراتا رہا۔ سقراط کے شاگرد بتاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہنستا رہتا تھا۔ سقراط کے شاگردوں کو اس کی جھگڑالو بیوی پر شدید غصہ آتا۔ استاد کی بیوی ہونے کی وجہ سے

وہ اپنے غصے کا اظہار نہ کرتے، مگر دبی دبی زبان میں کہتے: ''آپ اسے کچھ کہتے کیوں نہیں؟''

سقراط مسکرا کے جواب دیتا: ''انسان کی عقل کا اندازہ اس کے غصے کے وقت ہوتا ہے۔ غصہ انسانی عقل کو ناپنے کا پیمانہ ہے۔ جس دن میں اپنی بیوی سے کچھ کہوں گا تو میں پہلے والا سقراط نہ رہوں گا۔''

سقراط کے شاگرد ایسی باتوں سے بہت متاثر ہوتے۔ شاگردوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔

جس دن سقراط کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا، اس رات سقراط کے تمام شاگرد اس کے گھر پر اکٹھے ہوئے اور خوب روئے۔ شاگردوں میں سے چند نے کہا: ''ہم نے ایک تیز رفتار عربی نسل کا گھوڑا خریدا ہے۔ آپ اس پر بیٹھ جائیں۔ ہم رات کی تاریکی میں کہیں دور جا سکتے ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم یہاں سے بہت دور پہنچ چکے ہوں گے۔''

سقراط نے جواب دیا: ''ٹھیک ہے، میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ مجھے ایسی جگہ لے چلنا، جہاں موت نہ ہو۔''

تمام شاگرد خاموش ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی خاموشی کو محسوس کر کے سقراط بولا: ''جو موت مجھے آنی ہے، چاہے وہ آج ہو یا کل۔ تو کیوں نہ میں آج سچ کی خاطر موت کو گلے لگا کر امر ہو جاؤں۔''

آج سقراط کو سزائے موت دینے والوں کو کوئی نہیں جانتا، مگر سقراط کا دنیا بھر میں بڑا نام ہے۔

سقراط کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

☆ عقل کی ابتدا، حیرت ہے۔

☆ اچھی بات جو بھی کہے غور سے سنو۔

☆ وہ گھر جس میں کتابیں نہیں، وہ ایسا جسم ہے، جس میں روح نہ ہو۔

☆ زندگی اہم نہیں، بلکہ زندگی کو اچھے طریقے سے گزارنا اہم ہے۔

☆ میں بیماری کی مصیبتیں برداشت

کرسکتا ہوں، مگر یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ کسی انسان کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کیا جائے۔

شناخت

ملک محمد طفیل، جہلم

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ میرا چھوٹا بھائی نشاط کمرے میں میری چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا: ''مائی پین ڈھونڈ رہا ہوں۔''

آج کل سب گھر والوں کو انگریزی کا بھوت سوار ہے۔ جس کو دیکھو انگریزی اردو دونوں کو ملا کر کھچڑی بنا رہا ہے۔ دراصل ایک ہفتے کے بعد خالہ جان اپنے بچوں کے ساتھ تقریباً دس سال بعد انگلینڈ سے اپنے ملک پاکستان آ رہی تھیں، اس لیے سب انگریزی بولنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچھی انگریزی بولنی آ جائے، تا کہ ان سب کے سامنے شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔

کل ہی کی بات ہے کہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ مجھے کچھ پیاس سی محسوس ہوئی۔ میں نے ملازمہ سے کہا: ''ایک گلاس واٹر لا دو۔''

اس بے چاری کی سمجھ میں نہ جانے کیا آیا، وہ ایک گلاس اور ایک ٹماٹر لے کر آ گئی۔

میں نے پوچھا: ''بھئی یہ کیا ہے؟''

اس نے کہا: ''یہ آپ نے ہی تو منگوایا تھا۔'' یہ سن کر میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

نانی جان نے کہا: ''مجھے اخبار پڑھ کر سنا دو تو میں انھیں ''نیوز پیپر'' سنا رہا تھا کہ میری چھوٹی بہن ناہید کیلا کھاتی ہوئی آ گئی۔ کیلا دیکھ کر میرا بھی دل چاہا۔ میں نے پوچھا: ''یہ بنانا تم نے کہاں سے لیا؟''

اس سے پہلے کہ وہ بہن کچھ کہتی، نانی جان بولیں: ''ہاں بیٹے! اللہ بخشے تمھارے نانا کو وہ بہت اچھے انسان تھے۔''

میں حیرت سے نانی جان کو دیکھنے لگا۔

ایسی ہی بدحواسیوں اور بے وقوفیوں میں دن گزر گئے۔

آخر ایک دن ہماری خالہ جان انگلینڈ سے تشریف لے آئیں۔ خالہ نے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو میں نے کہا: ''ہیلو آنٹی! ہاؤ آر یو (کیسی ہیں)''

خالہ جان نے کہا: ''کیا ہو گیا ہے تمھیں، میں تو تمھاری خالہ تھی، آنٹی کیسے ہو گئی؟'' یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا۔ میرے تمام کزنز پاکستانی لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنی قومی زبان اردو میں بات کر رہے تھے۔ جب انھوں نے ہم پاکستانیوں کو اردو، انگلش گڈ مڈ کرتے پایا تو کہا: ''ارے بھئی کیا ہو گیا تم لوگوں کو، اپنی قومی زبان میں بات کیوں نہیں کرتے؟ ہماری قومی زبان کتنی میٹھی اور پیاری ہے۔''

رات کو جب میرا کزن جواد میرے کمرے میں سونے کے لیے لیٹا تو اس نے بتایا کہ ہم سب لوگ انگلینڈ میں رہ کر بھی اپنی مادری زبان اور اپنے رسم و رواج کو نہیں بھولے ہیں۔ ہم گھر میں بھی اردو بولتے ہیں، پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور اپنا قومی لباس ہی پہنتے ہیں۔ غیر ملکی زبانیں سیکھنا اور بولنا اچھی بات ہے، لیکن اپنے ہم وطنوں کے سامنے اس کا رعب نہیں ڈالنا چاہیے، کیوں کہ ہماری شناخت پاکستان سے ہے۔'' جس وقت یہ باتیں جواد مجھ سے کر رہا تھا تو میرا سر شرمندگی سے جھکا جا رہا تھا۔

پھر میں نے ایک نئے جذبے کے ساتھ سوچا اور اپنے دل میں پکا عہد کیا کہ اب میں صرف سچا پاکستانی بنوں گا اور اپنے وطن اور اپنے ملک کی ہر چیز سے پیار کروں گا۔ یہ باتیں سوچتے سوچتے میں صبح بیدار

ہوا تو دل میں ایک نئی اُمنگ اور نئے جذبے کے ساتھ اپنے نئے دن کا آغاز کیا اور سب کو "گڈ مارننگ" کہنے کے بجائے جب میں نے اپنے سب گھر والوں کو "السلام علیکم" کہا تو میرے چھوٹے بہن بھائی، امی اور ابو یہ تبدیلی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

پکی دوستی

زہرہ کنول احمد، کورنگی

کامی میاں کو جانوروں سے بڑی محبت تھی۔ انھوں نے ایک بلی پالی ہوئی تھی۔ وہ بڑی پیاری، سفید، نرم و ملائم بالوں والی بلی تھی۔ کامی میاں ہر وقت اپنی بلی کے لاڈ اُٹھاتے رہتے۔ اتنی توجہ اور محبت پا کر بلی تھوڑی مغرور ہو گئی تھی۔

ایک بار کامی میاں اپنے دوستوں کے ساتھ جنگل کی سیر کو گئے۔ وہاں انھیں ایک پیارا، معصوم سا خرگوش مل گیا۔ بس پھر کیا تھا کامی میاں تو تھے ہی جانوروں کے شوقین، وہ خرگوش کو گھر لے آئے اور بڑے پیار سے پالنے لگے۔ یہ دیکھ کر بی بلی حسد کے مارے جل گئی۔ جب وہ کامی میاں کو خرگوش کے ساتھ کھیلتے اور پیار کرتے دیکھتی تو غصے سے اس کا خون کھول کر رہ جاتا۔ دل میں سوچتی کہ کیا اس کمبخت کا رنگ مجھ سے بھی زیادہ سفید ہے یا اس کے بال مجھ سے زیادہ نرم و ملائم ہیں۔ نہیں! یہ تو میرے سامنے کچھ بھی نہیں۔

جب کبھی کامی میاں گھر سے باہر جاتے بی بلی کو تو موقع مل جاتا۔ وہ بے چارے خرگوش کو ڈرانے کے لیے خوب غراتی اور اپنے تیز ناخنوں سے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتی۔ ایسے میں خرگوش کونے کھدرے میں چھپ کر اپنی جان بچاتا۔ اس کا ننھا سا دل خوف سے کانپ اُٹھتا۔

ایک بار سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ تیز چلچلاتی دھوپ نے سب کو نڈھال کیا ہوا

تھا۔ سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں دوپہر کے کھانے کے بعد سو رہے تھے۔ میاں خرگوش بی بلی کے ڈر سے صحن میں بنی دوچھتی پر کاٹھ کباڑ میں چھپے سو رہے تھے اور بلی صاحبہ صحن میں آرام فرما رہی تھیں۔ ہر طرف ہو کا سا عالم تھا۔ اچانک گلی میں کھلنے والا صحن کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور ایک موٹا تازہ سیاہ رنگ کا کتا اپنی سرخ زبان لٹکائے گرمی سے ہانپتا ہوا اندر گھس آیا۔ بی بلی ہڑبڑا کر اُٹھی اور کتے کو دیکھتے ہی اس کی روح فنا ہو گئی۔ کتے کی نظر جب بلی پر پڑی تو وہ بلی کی جانب بڑھا۔ بلی نے ڈر کے مارے ہلکی سی آواز نکالی۔ دوچھتی پر سوئے ہوئے خرگوش کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیچے جھانکا اور سارا ماجرہ دیکھ کر اس کا ننھا سا دل حلق میں آ گیا۔ کتا غراتا ہوا بلی کی جانب بڑھا۔ یہ منظر دیکھ کر خرگوش کے دل میں خیال آیا کہ چلو اچھا ہے، آج بلی بیگم کو مزہ آ جائے گا۔ کتنا جلتی تھی مجھ سے ہر وقت میرے سکون کی دشمن بنی رہتی تھی۔ آج اسے پتا چل جائے گا، مگر پھر اچانک اس کی نیک فطرت نے اس کے دل کو سمجھایا کہ چلو جیسی بھی ہے، میری ساتھی ہے۔ مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر خرگوش نے آس پاس نظر دوڑائی تو اسے آٹے کا خالی کنستر نظر آیا۔ خرگوش میاں نے پورا زور لگا کر کنستر کو دھکیلا اور دوچھتی سے نیچے پھینک دیا۔ کنستر دھڑام دھڑام کی زوردار آوازوں کے ساتھ سیدھا کتے پر آ گرا۔ کتا اس اچانک مصیبت سے ایسا بدحواس ہوا کہ بوکھلا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

تب بلی کی نگاہ اوپر دوچھتی پر بیٹھے خرگوش پر پڑی تو اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ خرگوش کے ساتھ اپنے بُرے سلوک کا شدت سے احساس ہوا اور اس نے خرگوش

سے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد دونوں میں بڑی پکی دوستی ہوگئی۔

نادان چڑا

عاصمہ فرحین، کراچی

کسی جنگل میں خوب صورت رنگوں والی چڑیا اور چڑا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن جنگل میں شہر سے بہت سے شکاری آئے اور انھوں نے بہت سارے جال لگائے۔ بدقسمتی سے چڑیا کا ایک بچہ اس میں پھنس گیا۔ چڑیا اور چڑا بہت پریشان ہوئے۔ روئے، چلائے، مگر شکاریوں نے چوزے کو نہ چھوڑا اور وہ اسے لے کر شہر چلے گئے۔

دن یوں ہی گزرتے گئے۔ چڑیا اور چوزے کے بچے بڑے ہوتے گئے اور انھوں نے اپنے اپنے گھونسلے بنا لیے۔ ایک دن چڑیا گھونسلے کے پاس ٹہنی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک پیارا سا چڑا اُڑتا ہوا آیا۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب چڑیا اس کو پہچان نہ سکی تو چڑا بولا: ''پیاری امی جان! میں آپ کا وہی بیٹا ہوں، جسے شکاری جال میں پکڑ کر لے گئے تھے۔''

یہ سن کر چڑیا بہت خوش ہوئی۔ چڑا بھی جب شام کو لوٹا تو اپنے ننھے چڑے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ چڑیا اور چڑے نے اسے اپنے چھوٹے سے گھونسلے میں رہنے کی دعوت دی، تاکہ وہ کچھ دن ان کے پاس آرام سے رہ لے اور پھر اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی طرح گھونسلہ بنا لے۔

کچھ دن تک تو ننھا چڑا اپنے ماں باپ کے ساتھ کھانے کی تلاش میں جاتا رہا، مگر پھر وہ اُکتا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ پنجرے میں قید رہ کر سست ہو گیا تھا۔

ایک دن اس نے والدین سے کہا: ''ایسا کرتے ہیں کہ چاچا بندر کمھار سے چھوٹے چھوٹے مٹی کے پیالے بنوا کر

گھونسلے میں رکھ دیتے ہیں، پھر اس میں ہی خوراک اور پانی جمع کرتے رہیں گے۔ اس طرح نہ تو ہمیں پریشانی ہوگی اور نہ ہر وقت خوراک کی تلاش میں مارا مارا پھرنا پڑے گا۔''

چڑا تو خاموش رہا، مگر چڑیا بولی: ''میرے پیارے بچے! ہم تو اپنا رزق صبح اُٹھ کر اللہ کے بھروسے پر تلاش کرتے ہیں اور آج تک ہم کبھی بھوکے پیٹ نہیں سوئے۔''

چڑا بولا: ''امی جان! دنیا نے بڑی ترقی کر لی ہے یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ میں تو چاہتا تھا کہ اس طرح آپ کو اور ابو جان کو آسانی ہو جائے گی۔ جب تک میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کو زیادہ کام نہ کرنا پڑے، میں ہی خوراک تلاش کر کے جمع کرتا ہوں۔''

آخر چڑیا اور چڑا راضی ہو گئے اور بندر کمھار سے دو چھوٹے چھوٹے مٹی کے پیالے بنوا کر گھونسلے میں رکھ لیے۔

کچھ دن تک تو چڑے کا بچہ بڑے جوش و خروش سے دانا دنکا جمع کرتا رہا، مگر آخر کب تک؟ اس کی سست طبیعت اس کے کام میں رکاوٹ بن گئی۔ اب وہ بہانے بنا دیتا اور زیادہ تر وقت اپنے دوستوں سے باتوں یا کھیل کود میں گنوا دیتا اور جو کچھ بھی چڑیا اور چڑا جمع کرتے مزے سے کھاتا رہتا۔ چڑیا اور چڑا اس وقت کو کوسنے لگے جب انھوں نے اس کی بات مانی تھی۔ وہ ایک گرم ترین دوپہر تھی جب جنگل کے جانور اپنی اپنی جگہوں پر دُبکے ہوئے تھے۔ چڑیا اور چڑا خوراک کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے، جب کہ ننھا چڑا کھا پی کر مزے سے ایک ٹہنی پر بیٹھا ہوا تھا۔

اچانک ایک بھوکا عقاب اُڑتا ہوا آیا۔ اس نے اتنا موٹا تازہ چڑا دیکھا تو ایک ہی جست میں اسے پکڑ لیا۔ چڑا
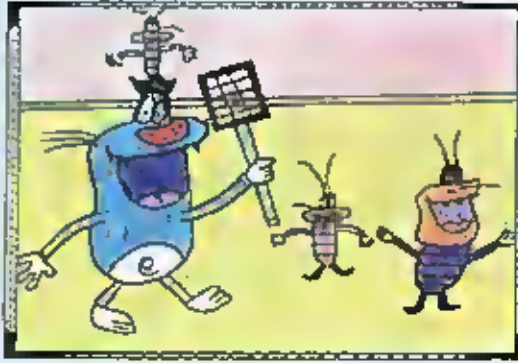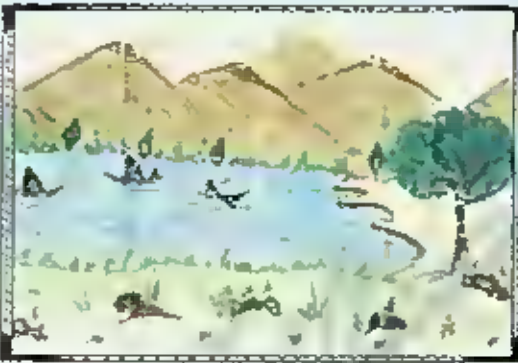
کیوں کہ زیادہ تر بیٹھا رہتا تھا، اس لیے وہ اپنی جان بچانے کی کوشش بھی نہ کرسکا۔

چڑیا اور چڑے نے واپس اپنے گھونسلے کی طرف آتے ہوئے یہ سارا منظر دیکھ لیا۔ قریب ہی ایک اُلو اونگھ رہا تھا۔ کہنے لگا: ''اب پچھتاوے کیا ہوت۔ جب چگ گئی کھیت۔''

بنو گے نواب

محمد ابراہیم قریشی، راولپنڈی

عمار اور جواد دو بھائی تھے۔ دونوں جڑواں تھے، مگر ان کی عادتیں ایک دوسرے کے برعکس تھیں۔ عمار ہر کام اپنے وقت پر انجام دیتا تھا اور بہت ہی تمیز دار تھا، جب کہ جواد کے لیے کسی کام کا کوئی وقت مُعیّن نہ تھا۔ وہ ہر وقت چھت پر پتنگ بازی کرتا رہتا۔ پڑھائی میں بھی دونوں مختلف تھے۔

عمار ہر کلاس میں اول آتا تو جواد ہر کلاس میں دو یا تین سال تو لازمی لگاتا۔ آخر اس کے ابو نے اسے اسکول سے اُٹھوا کر ایک دکان پر بطور ملازم لگوا دیا۔ اب جب جواد کو تنخواہ ملی تو اس نے اپنی جیب خرچ بھی بڑھوالیا۔ وہ اپنا جیب خرچ بڑھنے پر عمار کو چڑانے کی کوشش کرتا، مگر عمار اس کی فضول باتوں پر کان نہ دھرتا۔

دن گزرتے رہے، یہاں تک کہ عمار نے ایم۔فل کی ڈگری حاصل کرلی اور ایک کالج میں معقول تنخواہ پر پروفیسر لگ گیا۔

جب کہ جواد وہیں کا وہیں دکان پر بیٹھا رہا۔ لوگ عمار کی بڑی عزت کرتے اور اس کی دعوت کرتے تو جواد اس سے جلتا۔

اب اس کی سمجھ میں یہ بات آئی جو اس کے والد نے بچپن میں کہی تھی:

کھیلو گے، کودو گے، ہو گے خراب
پڑھو گے، لکھو گے، بنو گے نواب

☆☆☆

نونہال مصور

طیبہ اقبال اشرفی، نارتھ کراچی

فائزہ کامل، محمود آباد

بریرہ خالد، لاہور

توقیر، میرپور خاص

پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

سید محمد اُسید انعام، اورنگی ٹاؤن

تصویر خانہ

عروبہ، حیدرآباد

ماحضرا، حیدرآباد

نعیم نثار احمد تیغ، میرپور ماتھیلو

فائق احمد، لانڈھی

فریحہ، حیدرآباد

محمد شہیر نواز راجا

محمد نعیم الحسن، حویلی لکھا

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

اس بار ڈرائنگ کے ایک نئے طریقے سے آپ کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اس میں آپ برش کے بجائے اُنگلیاں اور انگوٹھا استعمال کریں گے۔ یہ بہت آسان ہے۔ کاغذ پر ہلکا سا خاکہ بنانے کے بعد انگوٹھے یا اُنگلی پر اپنی پسند کا رنگ لگایئے اور اس خاکے پر رکھ کر ہلکا سا دبایئے، تاکہ رنگ کاغذ پر منتقل ہو جائے۔ اس طریقے کو PAINTING IMPRESSION کہتے ہیں۔ ☆

استاد: ''تم جانتے ہو، میں تمھیں کیوں مار رہا ہوں؟''

شاگرد: ''آپ مجھے بچہ سمجھ کر مار رہے ہیں۔''

لطیفہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن

آخری دعوت

جاوید اقبال

وہ بھوکا تھا اور کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں بھی تھا۔ مارے جانے کا خطرہ ہر طرف سے اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کونوں کھدروں میں چھپتا چھپاتا کوئی محفوظ ٹھکانا ڈھونڈ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ ایک گلی کا موڑ مڑ کے ایک کھلی سڑک پر آیا، اسے ایک دیوار میں سوراخ نظر آ گیا۔ وہ سمٹ سمٹا کر اس سوراخ سے اندر داخل ہو گیا۔ جونہی اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ حیرت اور خوشی سے وہ اچھل پڑا۔ یہ رنگوں اور خوشبوؤں کی ایک انوکھی دنیا تھی، جہاں ہر طرف کھانے کی مزے مزے کی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کیک، پیسٹریاں،

بسکٹ اور کریم رول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ دوسری طرف لذیذ مٹھائیاں اسے للچا رہی تھیں۔ ایک طرف کاغذ والے دودھ کے ڈبے رکھے تھے تو کہیں پھلوں کے رس کے ڈبے اسے لبھا رہے تھے۔ ایک کونے میں ٹافیوں اور چاکلیٹوں کی رنگ بھری دنیا اسے کھانے کی دعوت دے رہی تھی۔

پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پہ یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کے دیکھا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھا۔ چیزیں اتنی تھیں کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہلے کیا چیز کھائے۔ چیزوں کا ایک جہان تھا اور بس وہ تھا۔ وہ ایک چیز تھوڑی سی چکھتا اور پھر دوسری کی طرف لپکتا۔ ابھی اسے کھا رہا ہوتا کہ تیسری کی کشش اسے اپنی طرف کھینچ لیتی۔ کھاتے کھاتے اسے پیاس لگی تو دودھ کے ڈبوں کی طرف لپکا۔ ایک ڈبے میں سوراخ کر کے جی بھر کر دودھ پیا، پھر مٹھائیوں پر ہلہ بول دیا۔ گلاب جامن، برفی، بالوشاہی، قلاقند، لڈو، چم چم، رس گلے ڈھیر سارے موجود تھے۔ وہ کھا رہا تھا اور ناچ رہا تھا۔ اس نے اتنا کھایا کہ پیٹ بھر گیا۔ اب وہ اپنے بوجھل پیٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ چیزوں کی طرف بڑھتا تھوڑا سا چکھتا اور دوسری طرف بڑھ جاتا۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ اس پہ سستی طاری ہونے لگی۔ اس نے سوچا اب یہاں سے چلا جائے، مگر اس مزے دار میٹھی دنیا کے آخری کونے سے ایک مسحور کن مہک نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ سوندھی سوندھی خوشبو سب خوشبوؤں سے انوکھی سب سے الگ تھی۔ اس کی تیز نظروں نے اس جگہ کو دیکھ لیا، جہاں سے یہ خوشبو آ رہی تھی۔ یہ گھی میں تلی سرخ سرخ روٹی کا بڑا سا ٹکڑا تھا، جو لوہے کی ایک عجیب سی چیز کے ساتھ پڑا تھا۔ اگرچہ اس کا معدہ گلے تک بھر چکا تھا، مگر ڈھیر ساری میٹھی چیزیں کھانے کے بعد مزے دار روٹی کا ذائقہ چکھنے سے وہ خود کو نہ روک سکا۔ وہ بے تابی سے وہاں جا پہنچا اور جیسے ہی روٹی کے ٹکڑے کو کھانا چاہا، ایک پُراسرار چیز تیزی سے

اس کے سر کی طرف آئی۔ اس نے خود کو اس کی زد سے بچانا چاہا، مگر بھرے پیٹ اور غنودگی کی وجہ سے وہ پیچھے نہ ہٹ سکا اور ایک خوف ناک آواز کے ساتھ پلک جھپکتے ہی اس کی گردن ایک آہنی شکنجے میں جکڑ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت کا گہرا تاثر لیے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس حیرت میں ایک رنگ پچھتاوے کا بھی تھا کہ اے کاش! میں اتنا لالچ نہ کرتا۔ پھر اس کا دم گھٹتا چلا گیا۔

دوسری صبح بیکری کے مالک نے اپنی دکان کا شٹر اُٹھایا تو ایک کونے میں لوہے کے شکنجے میں پھنسے چوہے کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر مردہ چوہے کو اُٹھا کر کچرے کی ٹوکری میں پھینک دیا اور دکان میں گھوم کر اس نقصان کا جائزہ لینے لگا، جو اس بن بلائے مہمان کی وجہ سے ہوا تھا۔

☆

دو درویش

بی بی سیرا بتول

لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ شیراز کے شاہی خاندان کے ایک بزرگ شاہی عیش و آرام سے بے نیاز، دنیا کے ہنگاموں سے دور، اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے اور ٹاٹ کا لباس پہنتے۔ اس طرح بیس سال گزر گئے۔

یہ نیک بزرگ شیراز کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود اس سے دور رہتے اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں انھوں نے بادشاہ کے دربار میں جانا شروع کر دیا۔ لوگ اس تبدیلی پر بڑے حیران ہوئے، لیکن زبان سے کسی نے کچھ نہ کہا۔

ایک دن وہ معمول کے مطابق شاہی دربار چلے گئے۔ بزرگ کی عدم موجودگی میں دو درویش بہت دور کا سفر طے کر کے ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ بزرگ دربار گئے ہوئے ہیں تو وہ دونوں بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

ایک درویش اپنے ساتھی سے بولا: ''یہ کیسے بزرگ ہیں جو شاہی دربار میں حاضر ہوتے ہیں، حال آں کہ درویشوں کا بادشاہ اور ان کے درباروں سے کیا تعلق؟''

دوسرے درویش نے جواب دیا: ''خدا کو غیب کا علم ہے، وہ چھپی باتوں اور دل کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔''

دونوں درویش آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ان بزرگ کا کہاں انتظار کیا جائے؟ ان کی خانقاہ میں یا کہیں اور۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ شیراز کے بازار میں گھوم

پھر لیا جائے۔ وہ دونوں بازار کی طرف چل دیے۔ چلتے چلتے انھیں ایک درزی کی دکان نظر آئی۔ ایک درویش جس کی جیب پھٹی ہوئی تھی، دوسرے سے کہا: ''میرا خیال ہے، ابھی ہمارے پاس وقت ہے، کیوں نہ میں اپنے خرقے کی جیب سلوا لوں۔''

دوسرے نے تائید کی اور دونوں درزی کی دکان میں داخل ہو گئے۔ درویش نے اپنا خرقہ اُتار کر درزی کے حوالے کیا اور کہا: ''اے بھائی! ذرا میری یہ پھٹی جیب تو سی دے۔''

درزی نے خرقہ لیا اور جیب سینے لگا۔ اسی دوران اسے قینچی کی ضرورت پیش آ گئی اور وہ قینچی تلاش کرنے لگا۔ اس نے اپنے سارے سامان کی تلاشی لی۔ ڈبے کھنگالے، مگر قینچی نہ ملی۔ اس نے شک کی نظروں سے درویشوں کا جائزہ لیا۔ کوسوں کی مسافت طے کر کے آنے والے یہ درویش اسے حیران و پریشان عجیب سے حلیے میں بے اعتبار محسوس ہوئے۔ درزی نے ان سے پوچھا: ''تم دونوں نے میری قینچی تو نہیں دیکھی؟''

دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا: ''بابا! ہم اس شہر میں پہلی بار آئے ہیں۔ ہمیں تیری قینچی کا کیا علم؟ یہ سوال تو اُن سے کر، جو تیری دکان میں اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔''

درزی کا شک اور بڑھا، بولا: ''سیدھی طرح بتا دو، میری قینچی کہاں ہے؟ ورنہ دوسرا طریقہ اختیار کروں گا۔''

ایک درویش نے کہا: ''تو دوسرا نہیں تیسرا طریقہ بھی اختیار کر لے، جب ہمارے پاس تیری قینچی نہیں تو دوسرے یا تیسرے طریقے سے کیسے مل جائے گی۔''

درزی نے شک بھرے انداز میں پوچھا: ''تم دو ساتھی میری دکان پر آئے تھے یا تمھارے ساتھ کوئی تیسرا بھی تھا؟''

درویش بولے: ''ہم دو ہی ساتھی ہیں اور بہت دور سے یہاں پر صرف ہم دو ہی آئے ہیں۔ تیری دکان میں بھی صرف ہم دو ہی داخل ہوئے، تیسرے سے تیری کیا مُراد ہے؟''

درزی نہ مانا اور دونوں کو گھورتے ہوئے بولا: ''تم دونوں کا کوئی تیسرا ساتھی ضرور ہوگا اور تم دونوں نے میری قینچی اس کے حوالے کر کے چلتا کر دیا ہوگا۔''

اب تو دونوں درویشوں کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ اس شہر میں نئے تھے۔ اجنبی شہر تھا اور اوپر سے ایک درزی چوری کا الزام لگا رہا تھا۔ ایک درویش ذرا غصے سے بولا: ''تیرا دماغ تو صحیح ہے تو ہم کو چور ٹھیراتا ہے۔ تجھے شرم آنی چاہیے۔ ہم درویش لوگ اور ہم کو چوری چکاری سے کیا مطلب؟''

درزی نے کہا: ''میں تمھاری کوئی بات نہ سنوں گا۔ بس سیدھی طرح میری قینچی دے دو، ورنہ ابھی سپاہی بلواتا ہوں۔''

ایک درویش نے عاجزی سے کہا: ''بھائی! معلوم نہیں تجھے کیا ہو گیا ہے جو ہم کو چور بناتا ہے، کچھ تو خدا کا خوف کر۔''

درزی بولا: ''میں خدا کا خوف کیوں کروں؟ اور چوری کر کے تمھیں خدا سے ڈر نہیں لگتا؟''

دوسرے درویش نے کہا: ''بھائی! یہ تکرار بعد میں کر لینا، پہلے میرا خرقہ تو سی دے۔''

درزی نے خرقہ دکان کے اندر پھینک دیا اور دھمکی دیتے ہوئے بولا: ''یہ اس

وقت تک نہیں ملے گا، جب تک تم دونوں قینچی نہیں دو گے۔''

درویش سر پکڑ کر بولا: ''بھائی! تو نے کمال ہی کر دیا۔ ہم کو چور ٹھیراتا ہے اور خدا کا خوف بھی نہیں کرتا۔''

درزی جھنجلا کر بولا: ''دیکھو...... مجھے بار بار خدا کے غضب سے نہ ڈراؤ۔ میں بہت برداشت سے کام لے چکا ہوں، ورنہ اب تک سپاہی تمھیں پکڑ کر لے جا چکے ہوتے۔''

جھگڑا بجائے ختم ہونے کے بڑھتا رہا۔ درزی کسی طور پر یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ قینچی ان درویشوں نے نہیں لی اور درویش اپنی بے گناہی کا ثبوت دینے سے بے بس تھے۔ درزی بار بار کوتوال اور سپاہیوں کی دھمکی دیتا۔ آخر درویش غصے سے بولے: ''جا، تو سپاہیوں کو بلا کر لا، شاید اسی طرح تیرا دل مطمئن ہو جائے۔''

درزی نے سپاہیوں کو بلا کر درویشوں کو قینچی چرانے کے جرم میں گرفتار کروا دیا۔ سپاہیوں نے انھیں حکمران کے دربار میں پیش کر دیا۔ وہاں وہ بزرگ پہلے ہی موجود تھے، جن سے درویش ملنے آئے تھے۔ درویشوں کو دیکھ کر وہ مسکرا دیے۔ درویشوں کی شہر آمد کا مقصد انھیں روحانی بصیرت سے معلوم ہو چکا تھا۔

انھوں نے درویشوں سے کہا: ''بھائیو! میں تمھیں بتاؤں کہ بادشاہ کے دربار میں، میں کیوں آتا ہوں؟''

دونوں درویش نہایت پریشان تھے، بولے: ''اس وقت تو ہم مصیبت میں گرفتار ہیں، اس سے نجات ملے تو کچھ عرض کریں۔''

بزرگ نے بادشاہ سے پوچھا: ''میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

بادشاہ نے کہا: ''میں آپ کو انتہائی نیک بزرگ سمجھتا ہوں۔''

بزرگ نے پوچھا: ''میں سچا ہوں یا جھوٹا؟''

بادشاہ نے جواب دیا: ''آپ سچے ہیں، اس میں کیا شک ہے۔''

بزرگ نے فرمایا: ''یہ دونوں درویش دور دراز سے مجھ سے ملنے آئے اور یہاں بے وجہ چوری کے الزام میں پھنس کر تیرے دربار میں کھڑے کیے گئے ہیں۔ ان بے گناہوں کو امان دیجیے۔''

بادشاہ نے ان کو رہا کر دیا اور بزرگ دونوں درویشوں کو لے کر سیدھے درزی کے پاس گئے اور پوچھا: ''کیا تو ان دونوں کو چور سمجھتا ہے؟''

درزی بہت ڈرا سہا ہوا تھا، کیوں وہ بزرگ کو جانتا تھا، اس نے جواب دیا: ''نہیں میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔''

بزرگ نے قینچی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مل چکی ہے، کپڑوں میں بندھ گئی تھی۔

بزرگ نے کہا: ''تو نے اپنے کپڑوں میں پہلے ہی اسے اچھی طرح کیوں نہ تلاش کیا؟''

درزی نے عاجزی سے جواب دیا: ''حضرت! میں حیران اور پریشان ہوں کہ میں نے ان کو چور کیوں کہا! میں اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ پشیمان ہوں۔''

درزی نے دونوں درویشوں سے معافی مانگی اور سِلا ہوا خرقہ درویشوں کے

حوالے کیا۔ درزی سے جوتے کی سلائی پوچھی گئی، لیکن اس نے سلائی کی اُجرت نہ لی۔

بزرگ نے درویشوں سے کہا: ''میں شاہی دربار کیوں جاتا ہوں؟ یہ تو تم دونوں کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ اگر آج میں دربار میں موجود نہ ہوتا تو نہ جانے تمھارے ساتھ وہ کیسا سلوک کرتے۔''

پھر وہ دونوں درویشوں کو لے کر اپنی خانقاہ میں آ گئے اور دونوں درویشوں نے ان سے اپنی بدگمانی کی معافی مانگی۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ ''کیا یہ چھپ جائے گی؟'' ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کے باری جلد آتی ہے۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کرکے بھیجیے۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے۔ ◆ ذہنی آزمائش کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو۔ ◆ نظم ہر بچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ تحریر کسی خصوصی فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو۔ ◆ طنز یہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو۔ ◆ نونہال بلاعنوان کہانی نہ بھیجیں۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے۔ ◆ اشاعت سے معذرت میں صرف کہانیوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ◆ اتنی چھوٹی چھوٹی تحریریں جو قابل اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔ (ادارہ)

ہنڈکلیا

ماش کی مٹھائی

مرسلہ: قمر ناز دہلوی، کراچی

ماش کی دال کا آٹا: ایک کلو
چینی: (پسی ہوئی) تین پاؤ
کھانے کا گوند: تین چھٹانک
بادام، پستے: (کٹے ہوئے) آدھا پاؤ
چھوٹی الائچی: (پسی ہوئی) چھے عدد
گھی: آدھا کلو

ترکیب: سب سے پہلے گھی گرم کریں اور اس میں کھانے کا گوند ڈال کر پکائیں۔ جیسے ہی گوند پھول جائے اس کو نکال لیں اور ٹھنڈا ہونے پر پیس لیں۔ پھر گھی کو دوبارہ گرم کریں اور اس میں ماش کی دال کا آٹا ڈال کر بھونیں۔ خوشبو آنے لگے اور یہ گولڈن براؤن ہو جائے تو دیگچی کو چولہے سے اُتار کر اس میں پسی ہوئی الائچیاں اور پسا ہوا گوند ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ ساتھ ہی پسی ہوئی چینی اور آدھے بادام، پستے شامل کریں۔ اب اس کو ڈش میں نکال لیں اور باقی آدھے بادام، پستے چھڑک دیں۔ جب مٹھائی ذرا ٹھنڈی ہو کر کچھ جم جائے تو چھری سے اس پر نشان لگا لیں۔ جب مکمل طور پر سخت ہو جائے تو چھری سے کاٹ لیں۔ مزے دار مٹھائی تیار ہے۔

مصری پکوڑے

مرسلہ: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

مونگ کی دال (چھلکوں والی): ایک پاؤ
ثابت زیرہ (بھنا ہوا): ایک چائے کا چمچہ
سلائس کا چورا: ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر: آدھا چائے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا): دو کھانے کے چمچے
ہری مرچ (پسی ہوئی): ایک کھانے کا چمچہ
تیل: فرائی کرنے کے لیے
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: دال کو رات بھر پانی میں بھگو دیں اور صبح گاڑھا گاڑھا پیس لیں۔ پسی ہوئی دال میں زیرہ، ڈبل روٹی کا چورا، بیکنگ پاؤڈر، ہری مرچ، لہسن اور نمک ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کرکے آنچ ہلکی کر لیں۔ اس آمیزے کے پکوڑے تل لیں۔ نہایت خوش ذائقہ اور قدرے مختلف پکوڑے تیار ہوں گے۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۴۶

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- جون ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ سورۂ محمد قرآن پاک کے .... پارے میں ہے۔ (۲۴ویں - ۲۵ویں - ۲۶ویں)

۲۔ "عتیق" .... کا لقب تھا۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ - حضرت عمرؓ - حضرت عثمان غنیؓ)

۳۔ حکومتِ پاکستان نے ۱۵- جولائی .... کو چنبیلی (گلِ یاسمن) کو قومی پھول قرار دیا تھا۔ (۱۹۵۶ء - ۱۹۵۸ء - ۱۹۶۱ء)

۴۔ پاکستان کے مشہور مصور .... کے دو افسانوی مجموعے لکان اور کاجل شائع ہو چکے ہیں۔ (صادقین - گل جی - عبدالرحمن چغتائی)

۵۔ ممتاز سیاست داں چودھری خلیق الزماں، ماہر سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کے .... تھے۔ (والد - بھائی - چاچا)

۶۔ مغل حکمراں .... کا اصل نام روشن اختر تھا۔ (بیدار بخت - رفیع الشان - محمد شاہ رنگیلا)

۷۔ مشہور مسلمان عالم ابن بیطار .... تھے۔ (ماہر فلکیات - ماہر نفسیات - ماہر نباتات)

۸۔ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ .... ہے۔ (آئس لینڈ - گرین لینڈ - آئرلینڈ)

۹۔ اسلامی ملک برونائی دارالسلام نے یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو .... سے آزادی حاصل کی۔ (برطانیہ - فرانس - جرمنی)

۱۰۔ ایران میں سلجوقی خاندان کے بانی کا نام .... ہے۔ (طغرل بیگ - الپ ارسلان - ملک شاہ)

۱۱۔ امونیا گیس .... جمانے کے بھی کام آتی ہے۔ (دہی - پنیر - برف)

۱۲۔ "کُتّب" عربی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (اونٹ - گھوڑے - کتے)

۱۳۔ اردو کا پہلا باقاعدہ اخبار مولوی محمد باقر نے .... سے جاری کیا تھا۔ (دہلی - کلکتہ - علی گڑھ)

۱۴۔ کتاب "صحرا نورد کے خطوط" .... کی تصنیف ہے۔ (اشفاق احمد - احمد ندیم قاسمی - میرزا ادیب)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت ہے: "جس کی لاٹھی اس کی ...." (گائے - بھینس - بکری)

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا .... مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا (ڈبویا - دکھایا - سمجھایا)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۴۶ (جون ۲۰۱۶ء)

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

____

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- جون ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جون ۲۰۱۶ء)

عنوان : ____________________

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

____

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- جون ۲۰۱۶ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکا دیجیے۔

بھی معلومات پڑھتے رہیں ۔ مدیحہ رمضان محمود، بسبیلہ۔

• سب سے پہلے جاگو جگاؤ اور روشن خیالات میں بہت اچھی باتیں تھیں ۔ ہر تحریر بہت عمدہ تھی ۔ کہانیاں بہت دل چسپ تھیں ۔ لطائف ہنسا ہنسا کے لوٹ پوٹ کر دینے والے تھے ۔ گھر بھائی کی تیلی بگوڑی (نظم) بہت پسند آئی ۔ محمد زنیر ماشر، محمد اویس، جبلین ماشر، نجہت رمضان، بسبیلہ۔

• اپریل کا شمارہ بہت پیارا ہے ۔ سابقہ شماروں پر سبقت لے گیا ۔ طیبہ ام کلثوم، کراچی۔

• جاگو جگاؤ نے ہماری آنکھیں کھول دیں ۔ روشن خیالات اور چند نصیحتیں اچھی تھیں ۔ امام غزالی پر مضمون زبردست معلوماتی تھا ۔ "معلومات ہی معلومات" بہت ہی اچھا سلسلہ ہے ۔ آنٹل مجھے مار، نٹی ابا جی، لالچی کب آئے گا؟ اچھی کہانیاں تھیں ، جبکہ استاد صاحب تو بہت ہی پسند آئی ۔ دل پر اثر کر گئی ۔ علامہ اقبال کی والدہ "بے جی" پر معلومات زبردست تھیں ۔ نونہال لغت ، ہنسی گھر، معلومات افزا، آ بیے مصوری سیکھیں ہمارے پسندیدہ سلسلے ہیں ۔ ہانیہ شیخ ، ماہرہ شیخ ، کراچی۔

• ہمدرد نونہال نے میری زندگی میں ایک اردو کے استاد جیسی رہنمائی کا کام کیا ۔ میری اردو اچھی ہوئی ، اس کے ساتھ ہی مجھ میں لکھنے کا جذبہ ابھرا اور میں نے لکھنا شروع کیا ۔ میری زندگی کی پہلی کامیابی مجھے اس وقت ملی جب میری پہلی کہانی ہمدرد نونہال میں چھپی ۔ ملائکہ خان ، حیدر آباد۔

• اپریل کا شمارہ زبردست تھا ۔ اس میں آنٹل مجھے مار اور نٹی ابا جی بڑی اچھی کہانیاں تھیں ۔ فاروق ، کراچی۔

• اپریل کا شمارہ بہت دل چسپ تھا ۔ کہانیوں میں نٹی ابا جی ، خوفناک رات اور شکار کی ترکیب بہت اچھی تھی ۔ نظموں میں تو میں کس کس کی تعریف کروں ، ساری ہی لاجواب تھیں ۔ لطیفے ، روشن خیالات ، علم دریچے ، بیت بازی اور نونہال ادیب ہمیشہ کی طرح تعریف کے قابل تھے ۔ نور الہدیٰ اشفاق ، خنزہ جہان محمد۔

• اپریل کا شمارہ معلومات کا ذخیرہ تھا ۔ جاگو جگاؤ سے نونہال لغت تک پورا شمارہ ہی دل میں اتر گیا ۔ مسعود احمد برکاتی کی لکھی تحریر "امام غزالی" کافی معلوماتی اور عمدہ تحریر تھی ۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں ، تمام سلسلے بھی خوب تھے ۔ اسامہ ظفر راجا ، مری۔

• میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں ۔ ہمدرد نونہال ایک معلوماتی اور تفریحی رسالہ ہے ۔ حنا نور ، تلہ گنگ۔

• اپریل کا شمارہ زبردست تھا ۔ تمام کہانیاں شان دار تھیں ۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا ۔ محمد طلحہ مغل ، ڈگری۔

• کہانیاں تمام ہی زبردست تھیں ۔ آنٹل مجھے مار ، نٹی ابا جی ، استاد صاحب ، پری زادہ اور بلاعنوان کہانی اچھی لگی ۔ باقی کہانیاں بھی کم نہیں تھیں ۔ لالچی کب آئے گا ، ایک سنسنی خیز تحریر تھی ۔ نظمیں ساری اچھی تھیں ۔ ہائیکی نامہ ، علامہ اقبال کی والدہ اور امام غزالی کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا ۔ لبابہ عمران خان ، لیاقت آباد ، کراچی۔

• اپریل کا شمارہ بھی لاجواب تھا ۔ جاگو جگاؤ ، پہلی بات ، روشن خیالات ، آنٹل مجھے مار ، لالچی کب آئے گا؟ ، پری زادہ ، ہنسی گھر ، کتاب کی دنیا ، علم دریچے ، ہائیکی نامہ ، نونہال ادیب ، بلاعنوان کہانی ، خوفناک رات سمیت پورا شمارہ زبردست ، شان دار اور تعریف کے قابل تھا ۔ نور فاطمہ ، کراچی۔

• ہمدرد نونہال بچوں اور بڑوں کے لیے بہترین رسالہ ہے ۔ اس میں شائع ہونے والی کہانیاں عمدہ اور سبق آموز ہوتی ہیں ۔ میں ہمدرد نونہال آٹھ سال سے پڑھ رہی ہوں اور اب میں میٹرک کی طالبہ ہوں ۔ اپریل کے شمارے میں بلاعنوان کہانی اور خوفناک رات اچھی کہانیاں تھیں ۔ ہنسی گھر سب سے مزے دار تھا اور جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح مفید تھا ۔ ایمن صبا زعباسی ، گاؤں ڈاک خانہ ، کالجر۔

• اپریل کا شمارہ بھی بہت اچھا تھا ۔ کہانیوں میں پری زادہ ، نٹی ابا جی ، لالچی کب آئے گا؟ اور بلاعنوان کہانی بہت پسند آئیں ۔ علم دریچے ، ہنسی گھر ، روشن خیالات اور جاگو جگاؤ بہت اچھے سلسلے ہیں ۔ عنبرین خان عباسی ، ہری پور۔

• میری عمر نو سال ہے ۔ ہمدرد نونہال مجھے بہت پسند ہے ۔ اس کی کہانیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں ۔ مجھے ہنسی گھر اور بلاعنوان کہانی بہت پسند آئیں ۔ اس کے علاوہ بھی پورا رسالہ اچھا تھا ۔ حذیفہ عباسی ، گاؤں ڈاک خانہ کالجر۔

• اپریل کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا ۔ مصطفیٰ آزوخان کی سنسنی خیز تصویر نے دل موہ لیا ۔ سرورق بہت پسند آیا ۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں ۔ بلاعنوان کہانی ، نٹی ابا جی اور پری زادہ بہت اچھی کہانیاں تھیں ۔ ہنسی گھر ، روشن خیالات

بہت اچھے سلسلے ہیں ۔ ثنا امیر عباسی ، گاؤں وڈاک خانہ کالجر۔

• ہنسی گھر بہت اچھا لگا ۔ سب سے پہلے میں نے ہنسی گھر ہی پڑھا ۔ کہانیوں میں خوفناک رات اور پری زادہ اچھی تھیں ۔ کبریٰ عباسی ، ہری پور۔

• ہمدرد نونہال کی تمام کہانیاں مجھے اچھی لگتی ہیں ۔ اس بار کے شمارے میں بلاعنوان کہانی ، پری زادہ اور استاد صاحب بہت پسند آئیں ۔ ہنسی گھر نے ہمیں بہت ہنسایا ۔ غرض پورا شمارہ اپنی مثال آپ تھا ۔ بریرہ عباسی ، ہری پور۔

• اپریل کا شمارہ بہت اچھا تھا ۔ کہانیاں مزے دار تھیں ۔ سب سے اچھی کہانی استاد صاحب (محمد شاہد حفیظ) کی تھی ۔ اس کے علاوہ آنٹل مجھے مار (خلیل جبار) ، نٹی ابا جی (جاوید بسام) ، پری زادہ (احمد عدنان طارق) اور خوفناک رات (جاوید اقبال) بھی مزے دار کہانیاں تھیں ۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت اچھی لگی ۔ ہنسی گھر بھی مزے دار تھا ۔ ہمدرد نونہال کے ٹائٹل پر جو تصویر شائع کرتے ہیں اس کا کیا طریقہ ہے؟ ایمان منظور احمد ، کراچی۔

تین سے پانچ سال کے مسکراتے ہوئے بچے کی رنگین تصویر اگر مختلف مراحل سے گزر کر قابلِ اشاعت قرار پائی تو ہماری آنے پر شائع ہو سکتی ہے ۔

• اپریل کا شمارہ لاجواب تھا ۔ خاص کر نٹی ابا جی بہت مزے دار کہانی تھی ۔ تصویر خانہ میں اپنی تصویر دیکھ کر بہت اچھا لگا ۔ محمد احمد غزنوی ، دیر لوئر۔

• ساری کہانیاں بہت اچھی لگیں ۔ بلاعنوان کہانی ، شکار کی ترکیب ، خوفناک رات ، پری زادہ اور استاد صاحب زیادہ پسند آئیں ۔ ارحم اللہ خان ، حیدر آباد۔

• اپریل کا شمارہ بہت پسند آیا ۔ کہانیاں بہت اچھی تھیں ۔ بلاعنوان کہانی ، شکار کی ترکیب ، نٹی ابا جی ، پری زادہ اور خوفناک رات زیادہ پسند آئیں ۔ تیمور علی شاہ ، حیدر آباد۔

• اپریل کا شمارہ بہت اچھا تھا ۔ ذہنی طور پر لالچی کب آئے گا؟ اور آنٹل مجھے مار بہت اچھی کہانیاں تھیں ۔ نٹی ابا جی اور بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھیں ۔ معلومات ہی معلومات بہت اچھا سلسلہ ہے ۔ عائشہ سید امراؤ ، پشاور۔

• اپریل کا شمارہ نہایت زبردست تھا ۔ تحریروں میں سب سے پہلے نمبر پر علامہ اقبال کی نظم "چند نصیحتیں" بہت ہی مزے دار تھی ۔ خوفناک رات ، پری زادہ ، بلاعنوان کہانی اور شکار کی ترکیب زبردست کہانیاں تھیں ۔ جاوید اقبال کی تحریر بہت مزے دار تھی ۔ حافظ عابد علی بھٹی ، جھنگ ، معلوم۔

• بلاعنوان کہانی پہلے نمبر پر تھی ، دوسرے نمبر پر نٹی ابا جی اور تیسرا نمبر آنٹل مجھے مار کا تھا ، جب کہ چوتھے پر استاد صاحب تھی ۔ کہانیوں میں پانچواں نمبر پری زادہ کا تھا ۔ شخصی تعارف میں علامہ اقبال کی والدہ اور امام غزالی دونوں ہی اچھی تحریریں تھیں ۔ لالچی کب آئے گا؟ اور شکار کی ترکیب بھی خوب تھیں ۔ معراج محبوب عباسی ، ہری پور ہزارہ۔

• اس بار سرورق بہت پیارا تھا ۔ کہانیوں میں امام غزالی ، استاد صاحب اور آنٹل مجھے مار نے رسالے کو چار چاند لگا دیے ۔ پری زادہ اور نٹی ابا جی بھی اچھی کہانیاں تھیں ۔ محمد عبدالمنان جہانگیر ، جھنگ ، معلوم۔

• اپریل کا شمارہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں ۔ نٹی ابا جی ، پری زادہ ، خوفناک رات اور بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا ۔ اس بار ہنسی گھر کے لطیفے بھی مزے دار نہیں تھے ۔ میر حمزہ عالم ، میر ارتضیٰ ، میر مصعب ، حزب اللہ ، حیدر آباد۔

• ہمدرد نونہال بہت اچھا رسالہ ہے اور تحسین تو کرنا بھی اچھا لگتا ہے ۔ جس کی کوئی مثال نہیں ۔ رجھا کا خلیل امر اللہ ، پشاور۔

• اپریل کا شمارہ بہت پسند آیا اور خاص کر جاگو جگاؤ ، پہلی بات ، روشن خیالات ، امام غزالی ، معلومات ہی معلومات ، ہنسی گھر ، علم دریچے ، بلاعنوان کہانی اور آدمی آدمی کو آتا ہے ، قابلِ مطالعہ تحریریں ہوتی ہیں ۔ ام اختر اعوان ، کراچی۔

• اپریل کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا ۔ کہانیوں میں آنٹل مجھے مار ، استاد صاحب ، پری زادہ اور بلاعنوان کہانی نہایت ہی دل چسپ تھیں ۔ محمد عثمان عباس علی ، کراچی۔

• اپریل کا رسالہ بہت ہی شان دار تھا ۔ ہنسی گھر کے تو کیا ہی کہنے ۔ اس دفعہ بلاعنوان کہانی (ام عادل) کوئی خاص نہیں تھی ۔ ادیبہ اعظم ، ظفر ، بیدار سنگھ۔

• سرورق سے لے کر نونہال لغت تک تمام تحریریں زبردست تھیں ۔ کہانیوں میں نٹی ابا جی ، استاد صاحب اور لالچی کب آئے گا؟ اور بلاعنوان کہانی شان دار تھیں ۔ آنٹل مجھے مار پڑھ کر بہت مزہ آیا ۔ ہائیکی نامہ پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا ۔ راسید شاہ ، خوشاب۔

• سرورق اچھا تھا ۔ نمبر ایک پر بلاعنوان کہانی تھی اور نمبر دو پر آنٹل مجھے

جوابات معلوماتِ افزا - ۲۴۴

سوالات اپریل ۲۰۱۶ء میں شایع ہوئے تھے

اپریل ۲۰۱۶ء میں معلوماتِ افزا - ۲۴۴ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورہ سورۃ البقرہ ہے۔
۲۔ بیت المقدس ۱۶ ہجری میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا۔
۳۔ مشہور صوفی شاعر سچل سرمستؒ کو شاعرِ ہفت زباں بھی کہا جاتا ہے۔
۴۔ عظیم مسلمان طبیب بو علی سینا کو شیخ الرئیس کہا جاتا ہے۔
۵۔ برصغیر میں تانبے کا سکہ سب سے پہلے محمد تغلق نے جاری کیا تھا۔
۶۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں کا اصل نام شہاب الدین تھا۔
۷۔ لودھی خاندان کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی تھا۔
۸۔ پاکستان کا ایک تاریخی مقام ہڑپہ ضلع ساہیوال میں ہے۔
۹۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر زاہد حسین تھے۔
۱۰۔ پاکستان کے خلائی تحقیق کے ادارے کا نام سپارکو ہے۔
۱۱۔ رئیس امروہوی کے مجموعۂ کلام کا نام "الف" ہے۔
۱۲۔ شیخ محمد بن راشد المکتوم دبئی کے موجودہ حکمراں ہیں۔
۱۳۔ مُردار خور (مُردے کا گوشت کھانے والا) پرندہ گدھ ہے۔
۱۴۔ سفید رنگ کا جھنڈا امن کی علامت ہے۔
۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔"
۱۶۔ علامہ اقبال کی نظم جوابِ شکوہ کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** محمد ایوب عبدالرحیم، علینا اختر، سید محمد حسین شاہ، کلیم اللہ خاں، پرویز حسین، خواجہ سطوت ☆ **پسنی:** میر جان یحییٰ ☆ **حیدر آباد:** مرزا حمزہ بیگ، محمد عاشر راحیل۔

☆ **میرپور خاص:** ارم محمد صالح اُجن ☆ **اسلام آباد:** لائبہ خان۔

☆ **سکھر:** عمارہ ثاقب ☆ **ملتان:** حنظلہ رضوان ☆ **بہاول پور:** ایمن نور۔

☆ **اوتھل:** طیبہ نور۔

۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ **کراچی:** حافظ عبدالعزیز، عزیر احمد، محمد فرقان، خدیجہ عروج، زہیر ذوالفقار، افضال احمد خان، سیدہ ایمن حسن، ماہین عابد، محمد مصعب علی، اقبال احمد خاں ☆ **پسنی:** شیراز شریف، شہباز شریف، وسیم احمد، نسیم احمد، اُسامہ یحییٰ ☆ **حیدر آباد:** عائشہ ایمن عبداللہ، ایمن زہرہ، عائشہ خان خانزادہ، محمد اُسامہ انصاری ☆ **میرپور خاص:** ثمینہ محمد علی سیال، حیدر علی سیال، توقیر اقبال ☆ **سانگھڑ:** ناصر اسماعیل بروہی، محمد ثاقب منصوری ☆ **پشاور:** فہد احمد، محمد حمدان ☆ **اسلام آباد:** محمد حمزہ احمد، آمنہ غفار ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **ٹنڈو الہیار:** مدثر آصف انصاری ☆ **دولت پور صفن:** ایمن سعید خانزادہ ☆ **بہاول نگر:** عروشہ جاوید ☆ **نواب شاہ:** نعمان ایوب ☆ **سکرنڈ:** اطروبہ عدنان خانزادہ ☆ **ٹمیاری:** حارث ارسلان انصاری ☆ **جھڈو:** شہریم راجا ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **راولپنڈی:** محمد ارسلان ساجد ☆ **نوشہرو فیروز:** بشازیہ پھل ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **بہاول پور:** احمد ارسلان، قرۃ العین عینی، صباحت گل۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** زہرہ شفیق، محمد اسد، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید عنوان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، رضی اللہ خان، شاہ محمد ازہر عالم، سمیعہ توقیر، فہد فدا حسین،

فائزہ ربانی، نور حیات، محمد آصف انصاری، محمد مصعب انصاری، سعدیہ انصاری، محمد ابوبکر بن عمران، محمد عثمان عباس علی ☆ ٹھاروشاہ: بسمہ ارشاد خانزادہ راجپوت، شایان آصف خانزادہ راجپوت، ایان آصف خانزادہ راجپوت ☆ راولپنڈی: شاہزے شاہ رخ، محمد انس بن محمد اسلام ☆ لاہور: شنا تبسم اقبال ☆ ملتان: طیبہ آصف ☆ کوئری: محمد رخسان ☆ آزاد کشمیر: عائشہ جواد ☆ حیدرآباد: محمد عاشر وحید۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد اختر حیات، بہادر، محمد حسن وقاص، عبدالرحمٰن خان ذکریا، بلال خان، رضوان ملک امان اللہ، کامران گل آفریدی، فضل ودود خان، احسن محمد اشرف، محمد اویس امیر احمد، محسن محمد اشرف، محمد بلال صدیقی، تسبیح محفوظ علی، سیدہ روحہ نظامی، عائشہ عبدالواسع، ایم اختر اعوان، سمیرا بنت یوسف، محمد عبدالخماص جہانگیر، سید مہیب احمد ☆ قصور: آمنہ عبدالسلام ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ وہاڑی: مومنہ ابو جی ☆ راولپنڈی: شاہ زیب احمد، ملک محمد احسن ☆ آزاد کشمیر: زرفشاں بابر ☆ ڈگری: معاویہ مغل ☆ سکھر: حارث علی بھٹی ☆ مری: اسامہ ظفر راجا ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: عائشہ ثمین، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، تنشالہ ملک ☆ گھوٹکی: ابو معوذ حافظ حماد اللہ ☆ ڈگری: محمد طلحہٰ مغل ☆ نواب شاہ: نمرہ ساجد بھٹی ☆ بدین: ماہ نور محمد فاروق ☆ ہری پور ہزارہ: معراج محبوب عباسی ☆ اوتھل: مدیحہ رمضان بھٹہ ☆ میرپور خاص: سمرا احمدانی۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: ایس ایم علی حسن، زوش رضا، ارحم ظفر، ایمن حیات خان ☆ ملتان: ماہ نور پیرزادہ ☆ سرگودھا: راجا مصطفیٰ خورشید علی ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: عمیر مجید ☆ نواب شاہ: رعیشہ اظہر قریشی۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: یمنیٰ توقیر، عمیرہ صابر ☆ لاہور: عبداللہ ☆ نوشہرہ: محمد عقیل اعوان ☆ راولپنڈی: حسنین فاطمہ ☆ قصور: صدیق قیوم۔

☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال اپریل ۲۰۱۶ء میں محترمہ اُم عادل کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ معصوم مسافر : بشریٰ عبدالواسع، کراچی

۲۔ مقدر کا لکھا : محمد عقیل اعوان، نوشہرہ

۳۔ بادشاہ کا انعام : عائشہ ایمن عبداللہ، حیدرآباد

﴿ چند اور اچھے عنوانات ﴾

خوش نصیب۔ انعامی تربوز۔ چھوٹی سی بھول۔ نصیب اپنا اپنا۔ غیبی مدد۔ ایمان داری کا صلہ۔ باادب بانصیب۔ نیکی کا پھل۔ کھل گئی قسمت۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: زوحیر ذوالفقار، ناعمہ تحریم، افنال احمد خاں، زینب مہرین، زہرہ شفیق، مصامص شمشاد غوری، عمیرہ صابر، ارم حسن منیر خان، رضی اللہ خان، آدین علی، شاز مین سومرو، خدیجہ عروج، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ اسماء امام، احسن جاوید، ایمان منظور احمد، سید صفوان علی جاوید، بریتہ مریم، علینا اختر، عائشہ الیاس، سید عفان علی جاوید، سید باذل علی اظہر، سید شہزل علی اظہر، حلیمہ جاوید، معاذ جاوید، حلیمہ فاطمہ، یسریٰ فرزین، سیدہ ابھا

حسن، شاہ بشریٰ عالم، سید محمد حسان، سید صہیب احمد، سمیعہ توقیر، طوبیٰ اشرف سیٹھ، ایس ایم علی حسن، کلیم اللہ خان، فائزہ ربانی، محمد تُفسیل، اقدس شاہد، تسبیح محفوظ علی، عمر معاویہ غنی رحمٰن، فہد فدا حسین، محمد شاہ میر رضوی، طلحہ سلطان شمشیر علی، طہورا عدنان، جلال الدین اسد، سعدیہ کوثر مغل، صدف آسیہ، نور حیات محمد حیات خان، محمد اویس امیر احمد، محسن محمد اشرف، صفی اللہ بن امین اللہ، احسن محمد اشرف، ایاز حیات، بلال خان، محمد فہد الرحمٰن، فضل ودود خان، کامران گل آفریدی، رضوان ملک امان اللہ، احمد حسین ابن محمد باذل، مہوش حسین، ارحم ظفر، محمد اختر حیات خان، احتشام شاہ فیصل، عبدالرحمٰن خان، محمد حسن وقاص ذاکریا، بہادر، طاہر منصور، سبحان، ا۔ع، احمد علی، زوش رضا، ماہین عابد، لبابہ عمران خان، نور فاطمہ، شازیہ انصاری، حافظ عبدالعزیز بن خطاب خان، محمد ایوب عبدالرحیم، تنشالہ ملک، پرویز حسین، سمیرا بنت یوسف، فضاء حبیب اللہ، خواجہ منذر، ایم اختر اعوان، خنساء کاشف، محمد عبدالحماض جہانگیر، محمد مبشر اقبال خان، ایان علی، محمد ایان بن عمران، ایمن حیات خان، تراب انصاری، ماریہ انصاری، محمد عثمان عباس علی، مریم علی، محمد فرقان، سیدہ روحہٗ نظامی ☆ **حیدرآباد:** مریم بنت کاشف، انوشہ سلیم الدین، ایمن زہرہ، محمد اُسامہ انصاری، عمر بن حزب اللہ بلوچ، عائشہ خان خانزادہ، مقدس خان بنت عبدالجبار خان، مومنہ ابوجی، ارحم اللہ خان، شیروتیہ ثناء ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **ضلع دیر (لوئر):** محمد احمد غزنوی ☆ **جھڈو:** شہزیم راجا ☆ **بنوں:** ہارون خان ☆ **سرگودھا:** آمنہ زاہد خورشید علی ☆ **ساہیوال:** مریم عرفان ☆ **تحصیل کہروڑپکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **نوشہرو فیروز:** بشریٰ خیر محمد پُھل ☆ **مری:** اُسامہ ظفر راجا ☆ **ہری پور ہزارہ:** معراج محجوب عباسی، شاہ میر عباس ☆ **گھوٹکی:** ابو معاوذ

☆ **واہ کینٹ:** محمد سرمد ☆ **اوتھل، لسبیلہ:** ثروت جہاں، مدیحہ رمضان، محمد سبطین عاشر بھٹہ، سسی بخی، شلی بخی، شرباز شریف، شیراز شریف، نسیم واحد، نگرا K-BI ☆ **نواب شاہ:** نمرہ ساجد بھٹی، انیقہ اظہر قریشی، اُمِ حبیبہ محمد ایوب ☆ **بے نظیر آباد:** اطروبہ عدنان خانزادہ، ایمن سعید خانزادہ ☆ **کوٹلی آزاد کشمیر:** محمد جواد چغتائی ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری ☆ **ڈگری:** محمد طلحہ مغل ☆ **میر پور خاص:** وجیہہ احمدانی، نورالہدیٰ اشفاق، سیف الرحمٰن حبیب الرحمٰن، صنم محمد صالح اجن، سکینہ محمد علی سیال، آمنہ سیال، محمد طاہر امان اللہ ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** عمیر مجید ☆ **لیہ:** م۔ز۔م جمن شاہ **منصورہ سندھ:** مزمل بوزدار ☆ **جامشورو سندھ:** محمد رخسان ☆ **ٹھارو شاہ سندھ:** بلال ارشاد خانزادہ راجپوت، ریان آصف خانزادہ، سفیان آصف خانزادہ راجپوت ☆ **بدین سندھ:** ماہ نور محمد فاروق ☆ **بھکر:** ارم اشرف ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **خوشاب:** حرا سعید شاہ ☆ **ملتان:** خرم شہزاد، ماہ نور پیرزادہ، حماد علی، عبدالرحمٰن، محمد طلحہ صفدر ☆ **بہاول پور:** قرۃ العین عینی، احمد ارسلان، ایمن نور، صباحت گل، محمد شکیب، محمد حمزہ نعیم اقبال ☆ **میر پور آزاد کشمیر:** فاطمہ جواد ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **بہاول نگر:** اقصیٰ، عروشہ جاوید ☆ **قصور:** صدیق قیوم، فاطمہ عبدالسلام ☆ **سکھر:** محمد عثمان بن سلمان، حارث علی بھٹی ☆ **ٹنڈو الہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **گجرات:** رحیقہ شہزاد ☆ **پشاور:** فہد احمد، عائشہ سید اسرار ☆ **لاہور:** عبداللہ، عدنان بشیر، حاجرہ تبسم اقبال، امتیاز علی ناز ☆ **راولپنڈی:** محمد حیان، محمد اسامہ ورک، محمد احسن بن محمد اسلام، حسنین فاطمہ، شاد زیب احمد، ملک محمد احسن، گل فاطمہ، حافظ عابد علی بھٹی ☆ **اسلام آباد:** محمد حمزہ احمد، ابیحا ثمر، محمد حمزہ ذاکر، آمنہ غفار۔

☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
اَوسان	اَ وْ سَا ن	ہوش وحواس ۔ ہمت ۔ جرات ۔
مَسخ	مَ سْ خ	اچھی صورت بدل کر بُری ہو جانا ۔
زِنداں	زِ نْ دَ ا ں	قید خانہ ۔ جیل خانہ ۔ بندی خانہ ۔
مُترقبہ	مُ تَ رَ قْ قَ بہ	انتظار کیا ہوا ۔ اُمید کی ہوئی چیز ۔
وَضاحت	وَ ضَا حَ ت	واضح کرنا ۔ تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ۔ تشریح کرنا ۔
خِرقہ	خِ رْ قہ	پرانا لباس ۔ درویشوں کا لباس ۔ پیوند لگا ہوا کپڑا ۔ گدڑی ۔
مُحال	مُ حَا ل	مشکل ۔ دشوار ۔ کٹھن ۔ ناممکن ۔
گُل زار	گُ لْ زَ ا ر	چمن ۔ گلشن ۔ پھلواری ۔ رونق ۔ آباد ۔
اَسرار	اَ سْ رَ ا ر	بھید ۔ راز ۔ چھپی ہوئی بات ۔
اِصرار	اِ صْ رَ ا ر	ضد ۔ ہٹ ۔ تکرار ۔ تاکید ۔
لُعاب	لُ عَا ب	تھوک ۔ آبِ دہن ۔ رال ۔
تکیۂ کلام	تَ کْ یَہ کَ لَا م	وہ بات یا لفظ جسے گفتگو کے دوران بار بار کہا جائے ۔
مُعطر	مُ عَ طْ طَ ر	خوشبو میں بسا ہوا ۔ خوشبودار ۔
اَوسط	اَ وْ سَ ط	درمیانی ۔ بیچ کا ۔ انگریزی لفظ AVERAGE کا ترجمہ ۔
فِراست	فِ رَ ا سَ ت	دانائی ۔ عقل مندی ۔ سمجھ داری ۔ قیافہ ۔
مُتحمل	مُ تَ حَ مْ مِ ل	برداشت کرنے والا ۔ بردبار ۔ مستقل مزاج ۔
گَردِش	گَ رْ دِ ش	چکر ۔ دور ۔ پھیر ۔ بدنصیبی ۔ مصیبت ۔ آفت ۔
عَفو	عَ فْ و	معافی ۔ درگزر ۔ بخش دینا ۔